فون نمبر: 5863260
5862956
مدیر: چوہدری ریاض احمد
Email: centralanjuman@yahoo.com
رجسٹرڈ ایل نمبر: 8532
قیمت فی پرچہ/10 روپے

جلد نمبر 97 | 15 صفر تا 13 ربیع الاوّل 1431 ہجری - یکم تا 28 فروری 2010ء | شمارہ نمبر 3-4

## احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

**رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک جدید عیسائی مصنفہ کا خراج عقیدت**

# ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے زمانے کے نبی“

## از کیرن آرم سٹرانگ

(تعارف: کیرن آرم سٹرانگ سات سال تک رومن کیتھولک راہبہ رہیں۔ اس زمانے کے تجربات اور تاثرات انہوں نے اپنی کتاب Through the Narrow Gate یعنی ”ایک تنگ دروازہ سے گزرتے ہوئے“ میں قلمبند کئے ہیں۔ انہوں نے خدا کے تصوّر اور دیگر مذاہب کے متعلق ۲۰ کے قریب کتب لکھی ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ شائع ہونے والی کتابوں میں شامل ہیں۔ ”اسلام کی مختصر تاریخ“ اور ”محمد ہمارے زمانے کے نبی“ ان کی تازہ تصنیفات میں شمار ہوتی ہیں)۔

”ابتدائی زمانہ سے مسلمانوں نے رسول اکرم صلعم کو اپنے سامنے ایک معیار کے طور پر رکھا جس سے وہ اپنے سیاست دانوں اور حکمرانوں کو جانچتے اور تنقید کرتے اور امت کی روحانی حالت کا موازنہ کرتے۔ اسی تنقیدی جذبہ اور ہمت کی آج ضرورت ہے۔ کچھ مسلمان مفکرین کا خیال ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کا مکہ کے خلاف جہاد ان کی زندگی کے مقصد کی انتہا تھا اور اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے بالآخر جنگ کے طریق کو چھوڑ دیا اور عدم تشدد کی پالیسی اختیار کی۔ مغربی مفکرین ابھی تک اس بات پر بضد ہیں کہ اسلام کے نبی صلعم ایک جنگ جو شخص تھے۔ اور اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں کہ ابتدا ہی سے وہ زمانہ جاہلیت کے تکبر اور انا کے خلاف تھے جس نے ان کے زمانہ میں جنگ اور تشدد کو بھڑکایا اور یہی رویہ آج کئی مغربی اور مسلمان رہنماؤں میں کارفرما نظر آتا ہے۔

نبی اکرم صلعم جن کا مقصد ہی امن اور عملی طور پر رحمدلی کی ترویج تھا۔ اب وہ تفریق اور باہم لڑائی کی علامت بن گئے ہیں۔ اس رویہ کا بڑھنا نہ صرف انتہائی افسوسناک ہے بلکہ انسانی زندگی کے مستقبل اور اس کی بقاء کے لئے خطرناک ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی کے بارے میں جب میں نے پہلی بار لکھا تو اس کے آخر پر میں نے کینیڈا کے ایک عالم اور مصنف ولفرڈ کانٹ ویل سمتھ کے ان الفاظ کا حوالہ دیا تھا جس میں اس نے یہ لکھا تھا کہ ایک صحت منداور عملی اسلام صدیوں تک مسلمانوں میں نہایت مہذب اقدار پیدا کرنے میں مدد دیتا رہا۔ جس سے ہم مغرب کے لوگ بھی مستفید ہوئے کیونکہ وہ ایک مشترک روایات سے پیدا

ہوئے تھے۔ کچھ مسلمانوں کو مغرب کی جدیدیت کو اپنانے میں مشکلات یا تردد کا سامنا ہے۔ وہ اہل کتاب کی تہذیبوں کے خلاف ہوگئے ہیں۔ اور اب تو وہ ان بہنوں جیسے تعلق رکھنے والے مذاہب کے خلاف نفرت کے لئے اسلام کا نام استعمال کرنے لگے ہیں۔ جن مذاہب کے متعلق خود قرآن بھی پرزور طریق پر تصدیق کرتا ہے۔ کانٹ ویل سمتھ کی دلیل یہ ہے اگر موجودہ دور کے تقاضوں کا مقابلہ کرنا ہے تو مسلمانوں کو مغربی روایات اور اداروں کو سمجھنا ہوگا کیونکہ ان کا وجود بحرحال ختم ہونے کا نہیں۔ ان کی رائے میں اگر اسلامی معاشروں نے ایسا نہ کیا تو وہ بیسویں صدی کے تقاضوں اور مسائل کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہیں گے۔ لیکن انہوں نے اس بات کی بھی نشاندہی کی ہے کہ مغربی لوگ بھی ایک مشکل کا شکار ہیں کہ وہ ابھی تک اس بات کو قبول نہیں کر سکے کہ وہ اس زمین پر دوسرے لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے دوسروں کو کمتر نہ سمجھیں بلکہ ان کو بھی برابری کا درجہ دیں۔

**”جب تک مغربی تہذیب ذہنی، سماجی، سیاسی اور معاشی طور پر اور عیسائی کلیسا دینی طور پر یہ نہ سیکھیں گے کہ وہ دوسرے لوگوں سے برابری کا سلوک اور ان کو عزت کا مقام دیں۔ تب تک یہ دونوں تہذیبیں یعنی مسلمان اور عیسائی اپنی اپنی باری پر ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات استوار کرنے اور بیسویں صدی کے حقائق کا سامنے کرنے میں ناکام ہوجائیں گے۔ ہم نے جن مسائل کی نشاندہی کی ہے وہ بھی گھمبیر ہیں جن کو کہ ہم نے اسلام کے بارے میں بھی گنوائے ہیں۔**

**”اکیسویں صدی کی مختصر تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں مذاہب کے لوگوں نے تاریخ سے کوئی بھی سبق نہیں سیکھا۔ اگر ہمیں تباہی سے بچنا ہے تو مسلمانوں اور مغربی دنیا کی اقوام کو نہ صرف تحمل کا مظاہرہ کرنا ہوگا بلکہ ایک دوسرے کی قدر کرنا ہوگی۔ اس سلسلہ میں ابتداء محمد صلعم کی ذات ہے۔ ایک ہمہ جہت شخصیت۔ جو مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے۔ جس کا ضمیر نظریات کے تحت کام کرتا ہے۔ جو بعض اوقات ایسے کام کر جاتا ہے جو انتہائی مشکل تھے یا جنہیں ہم ناممکن سمجھتے تھے۔ لیکن وہ شخص انتہائی گہری ذہنیت اور عقلمندی کا مالک تھا اور اس نے ایک ایسے دین اور تمدنی روایات کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تلوار نہ تھی لیکن جس کا نام اسلام تھا جس کا مطلب ہی امن اور صلح پسندی تھا“ (انگریزی سے ترجمہ، ص ص ۲۱۲۔۲۱۴)۔**

جب تک مغربی تہذیب ذہنی، سماجی، سیاسی اور معاشی طور پر اور عیسائی کلیسا دینی طور پر یہ نہ سیکھیں گے کہ وہ دوسرے لوگوں سے برابری کا سلوک اور ان کو عزت کا مقام دیں۔ تب تک یہ دونوں تہذیبیں یعنی مسلمان اور عیسائی اپنی اپنی باری پر ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات استوار کرنے اور بیسویں صدی کے حقائق کا سامنے کرنے میں ناکام ہوجائیں گے۔ ہم نے جن مسائل کی نشاندہی کی ہے وہ بھی گھمبیر ہیں جن کو کہ ہم نے اسلام کے بارے میں بھی گنوائے ہیں۔

اکیسویں صدی کی مختصر تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں مذاہب کے لوگوں نے تاریخ سے کوئی بھی سبق نہیں سیکھا۔ اگر ہمیں تباہی سے بچنا ہے تو مسلمانوں اور مغربی دنیا کی اقوام کو نہ صرف تحمل کا مظاہرہ کرنا ہوگا بلکہ ایک دوسرے کی قدر کرنا ہوگی۔ اس سلسلہ میں ابتداء محمد صلعم کی ذات ہے۔ ایک ہمہ جہت شخصیت۔ جو مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے۔ جس کا ضمیر نظریات کے تحت کام کرتا ہے۔ جو بعض اوقات ایسے کام کر جاتا ہے جو انتہائی مشکل تھے یا جنہیں ہم ناممکن سمجھتے تھے۔ لیکن وہ شخص انتہائی گہری ذہنیت اور عقلمندی کا مالک تھا اور اس نے ایک ایسے دین اور تمدنی روایات کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد تلوار نہ تھی لیکن جس کا نام اسلام تھا جس کا مطلب ہی امن اور صلح پسندی تھا

(انگریزی سے ترجمہ: ص ص ۲۱۲۔۲۱۴)۔

# قائد اعظم کی نظر میں قرآن کریم کی عظمت

**”کتاب عظیم میں دنیا اور آخرت کی زندگیوں سے متعلق بنیادی ضابطے اور قوانین موجود ہیں“یہ اسلامی مملکت کا کام ہوگا کہ معاشرہ کے عام حالات کی روشنی میں کس جرم کی کیا سزا ہونی چاہیے۔“**

**از مولانا حافظ غلام مرشد صاحب**

”اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔ اور صبر کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“ (انفال ۸:۱۰۳)

”اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ نہ کرو“ (آل عمران ۳:۱۰۳)

”اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف کیا۔ اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں اور انہی کے لئے بڑا عذاب ہے“ (آل عمران ۳:۱۰۵)

## قائد اعظم کا قرآن مجید سے گہرا تعلق

قائد اعظم کا قرآن مجید کے ساتھ کس قدر گہرا تعلق تھا اور وہ اس باب میں کس قدر مخلص تھے، اس کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن میں اس میں ایک ذاتی واقعہ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں، جسے میں نے اپنی شہادت کہہ کر پکارا ہے۔

1945ء کے آخری ثلث کی بات ہے جب قائد اعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے اراکین کے ساتھ ممدوٹ والا (لاہور) میں قیام فرما تھے۔ ایک دن جب میں اپنے مکان چومالہ نمبر A-105 میں بیٹھا ہوا تھا، قائد اعظم کا ایک نمائندہ میرے پاس پہنچا اور کہا قائد اعظم نے مجھ خاکسار کو فوری طور پر یاد فرمایا ہے۔ میں فوراً چلنے کے لئے تیار ہوا۔ لیکن پھر خیال آیا کہ۔۔۔ زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم۔۔۔ میں انگریزی کا ایک حرف نہیں جانتا اور قائد اعظم شاید میری زبان کو پوری طرح سمجھ نہ پائیں تو باہمی گفتگو کا نقشہ کیا ہوگا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس مسٹر ایم مسعود کھدر پوش (سابق آئی۔سی۔ایس) جو اس زمانے میں نواب شاہ کے ڈپٹی کمشنر تھے، بیٹھے تھے، میں نے ان کو ساتھ چلنے کے لئے کہا کہ وہ ترجمانی کے فرائض انجام دے سکیں۔ ہم ممدوٹ ولا پہنچے تو قائد اعظم ایک چھوٹے سے کمرے میں، جس کا دروازہ بڑے ہال کی طرف کھلتا تھا، میرے منتظر بیٹھے تھے۔ سلام مسنون کے بعد انہوں نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں ایک بڑے اہم دینی مسئلے کے لئے بلایا ہے۔

## علماء کی کلکتہ میں کانفرنس

جمعیت علمائے ہند (دہلی) جس کے سرپرست مفتی کفایت اللہ (مرحوم)، مولانا حسین احمد مدنی (مرحوم) اور مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم) جیسے نیشنلسٹ علماء ہیں، برسوں سے تحریک پاکستان کی مخالفت میں سرگرم عمل ہیں۔ بہت سے علماء ہمارے ہمنوا بھی ہیں لیکن ان کی کوئی تنظیم نہیں۔ کچھ عرصہ سے یہ کوشش جاری تھی۔ کہ علماء پر مشتمل ایک متوازی جمعیت قائم کی جائے۔ اس کا مرکز کلکتہ تجویز پایا اور مختلف صوبوں میں اس کی شاخیں بھی قائم کر دی گئیں۔ اس کا افتتاحی اجلاس چند دنوں کے بعد کلکتہ میں ہونا قرار پایا۔ اس سلسلے میں ملک بھر میں دعوت نامے بھی جاری کر دیئے اور مولانا راغب احسن (مرحوم) کے زیر سرکردگی جملہ انتظامات بھی مکمل کر لئے گئے۔ اس جمعیت کے نامزد صدر مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس کا افتتاح کرنا تھا کہ سوء اتفاق سے وہ دیوبند میں علیل ہو گئے ہیں۔ جمعیت کے اجلاس میں چند روز باقی ہیں، وہ اس میں شریک نہیں ہوسکیں گے۔

یہ پس منظر بیان کرنے کے بعد

قائداعظم نے اپنے مخصوص ''جرنیلی'' انداز میں فرمایا کہ تم جلد از جلد خطبہ افتتاحیہ تیار کرو اور 24۔25 اکتوبر تک کلکتہ پہنچ جاؤ۔ وہ ضابطہ کے اس قدر پابند تھے کہ انہوں نے کہا کہ تم ''شعبہ عمومی سیاست'' میں میرے نائب کی حیثیت سے کانفرنس میں شرکت کرو اور ضروری دینی خدمت کو سرانجام دو۔ خاکسار نے ان کی اس سرفرازی پر شکریہ ادا کیا اور اس ضرورت کو اپنا اہم ترین فریضہ سمجھ کر رخصت چاہی، تو آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو۔ جس شخص کے نائب بن کر تم وہاں جا رہے ہو اس کی پوزیشن کے متعلق چند بنیادی نکتے ذہن میں رکھ کر وہاں جاؤ۔ ان کے سامنے میز پر قرآن کریم کے انگریزی ترجمہ کا نسخہ رکھا تھا، اسے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ میرا اس حقیقت پر ایمان ہے کہ اس کتاب عظیم میں دنیا اور آخرت کی زندگیوں کے متعلق مکمل ضابطے اور آئین موجود ہیں۔ تمدنی، معاشی اور اخلاقی، انمٹ اور دائمی قواعد موجود ہیں۔ عسکری تنظیم اور مملکت کے خارجی اور داخلی استحکام کے انمٹ قوانین موجود ہیں۔ لوگوں کے جان و مال آبرو کی حفاظت کے ابدی ضوابط موجود ہیں۔ لیکن یہ قواعد و ضوابط بالعموم اصولی حیثیت سے دیئے گئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اصول ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے۔ لیکن ان پر عمل پیرا اپنے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ہوا جائے گا۔

## اسلامی مملکت کا فریضہ

اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوگا کہ ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے قواعد و ضوابط مرتب کرے اور نافذ کرے۔ مثال کے طور پر انہوں نے کہا کہ قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ جرم کی سزا جرم کی نوعیت کے مطابق دی جائے۔ اس پر میں نے جرات کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے ذہن میں غالباً قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں کہا گیا ہے: جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (شوریٰ ۴۲:۴۰) اس پر انہوں نے فوراً قرآن مجید کھولا اور اس آیت کو دیکھ کر فرمایا کہ بے شک یہی آیت میرے ذہن میں تھی۔ اس کے بعد کہا کہ دیکھو یہ ایک اصولی اور ابدی حکم ہے۔ یہ دیکھنا اسلامی مملکت کا کام ہوگا کہ معاشرہ کے عام حالات کی روشنی میں کس جرم کی کیا سزا ہونی چاہیے جو قرآن کے اس اصول کے مطابق ہو۔ سب سے پہلے رسول ﷺ نے یہ ضمنی قوانین مرتب فرمائے۔ اس پر میں نے پھر سلسلہ کلام منقطع کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور ﷺ نے ایسا خود اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کیا تھا جس کی رو سے کہا گیا تھا: وشاورھم فی الامر (آل عمران ۳:۱۵۹) انہوں نے پھر قرآن کریم کھولا اور اس آیت کو نکال کر کہا کہ یہ بات بالکل واضح ہے۔ اگر قرآن مجید کے اصولی حکام کے جزئی قوانین مرتب کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو مشاورت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد امت کو بھی اسی طرح تدوین قوانین کرنا ہوگی۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے لئے بھی خدا کا حکم موجود ہے جس میں کہا گیا ہے کہ وامرھم شوریٰ بینھم (شوریٰ ۴۲:۳۸) انہوں نے پھر قرآن کریم سے ہی آیت نکالی اور کہا کہ خدا کی یہ ہدایت ہماری رہنمائی کیلئے کس قدر واضح ہے۔ اسلامی مملکت جس کیلئے ہم کوشش کر رہے ہیں کے آئین کی بنیاد یہی ہوگی۔

## اسلامی آئین کی بنیاد

قائداعظم ان باتوں میں مصروف تھے اور کمرے کا دروازہ باہر سے کھٹکھٹایا جا رہا تھا کیونکہ مسلم لیگ کے اراکین ضروری کارروائی کیلئے مضطرب تھے۔ اس پر میں نے اٹھنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں تمہیں کچھ نظائر معلوم ہوں تو مثالی طور پر مجھے بتاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ سورۃ الانفال کی پہلی آیت میں جنگ میں حاصل شدہ مال کے متعلق ایک اصولی حکم ہے کہ وہ مال ''اللہ اور رسول'' کا ہوگا (۸:۱)۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مختلف جنگوں میں حاصل شدہ مالِ غنیمت کی تقسیم مختلف انداز سے ہوئی۔ جنگِ بدر کے خاتمہ پر ایک انداز سے۔ خیبر کی فتح کے بعد دوسرے انداز سے، جنگ حنین اور ہوازن میں جو بے شمار غنیمت ہاتھ آیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے وہ سارے کا سارا مال ان مجاہدین میں تقسیم کر دیا جو ابھی کچھ عرصہ سے فتح مکہ کے وقت حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔ اس پر بعض گوشوں میں کچھ باتیں بھی ہونے لگیں۔ لیکن جب حضور ﷺ نے اس کی مصلحت سمجھائی تو وہ بیک زبان پکار اٹھے کہ رضینا یا رسول اللہ۔ حضور ﷺ ہم مطمئن ہیں۔ وہ ان تفصیلات کو بڑے جذب و انہماک سے سن رہے تھے اور اس گفتگو کیلئے زیادہ وقت دینا چاہتے تھے لیکن مسلم لیگ کی کارروائی کے اصرار پر انہیں اسے مختصر کرنا پڑا۔ میں اٹھا تو فرمایا، کہ جاتے جاتے ایک بنیادی نکتہ ذہن میں لے جاؤ۔ کہا کہ میری نظر میں قرآن مجید کے فیصلے کے مطابق دو بدترین اور ناقابل

معافی جرم ہیں۔ ایک شرک اور دوسرا تفرقہ۔ تفرقہ خواہ مذہبی پیشواؤں کے نام پر ہو، خواہ سیاسی راہنماؤں کے نام پر ہو، وطنیت کے نام پر ہو، رنگ، نسل اور خون کے نام پر ہو، بہرحال جرم عظیم ہے (ان الشرک لظلم عظیم یعنی شرک یقیناً بڑا بھاری ظلم ہے۔ لقمٰن ۳۱:۱۳) ان دونوں جرائم میں پہلے جرم (شرک) کی سزا اخروی زندگی میں ملے گی لیکن دوسرے جرم (تفرقہ) کی سزا اس دنیا میں ذلّت وخواری، غلامی اور محکومی کی شکل میں ملے گی۔ اور آخرت میں اس سے بھی بدتر شکل میں۔

یادرکھو! اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک مومن اور دوسرے کافر۔ اسی کا نام دو قومی نظریہ ہے۔ مومنین کے اندر کسی بنیاد پر تفرقہ ناقابل معافی جرم قرار پائے گا۔ اس نکتے کو خاص طور پر ذہن میں رکھنا۔ جاؤ خدا حافظ۔

میں رخصت ہو کر آیا تو پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا کہ یہ شخص جسے عام طور پر صرف ایک بیرسٹر سمجھا جاتا ہے اس کی اسلام کے بنیادی اصولوں پر کتنی گہری نگاہ ہے اور اس شخص سے متعلق یہ کہنا کہ اس کے ذہن میں اسلامیت کی چھینٹ تک دکھائی نہیں دیتی کتنا بڑا کذب وافترا ہے۔

میں نے حسب الارشاد خطبہ تیار کیا اور کلکتہ چلا گیا۔ ہم چار دن وہاں رہے۔ لیکن کیفیت یہ تھی کہ قائداعظم جہاں بھی تھے ہم سے رابطہ قائم کئے رہے اور تفصیلات معلوم کرتے رہے۔ آخری اجلاس ختم ہونے سے پہلے ان کی طرف سے تنظیم کے متعلق بھی ضروری ہدایات موصول ہو گئیں اور قراردادوں کے سلسلے میں بھی۔۔۔۔ ان قراردادوں میں یہ کہا گیا تھا کہ:۔

(1) تحریک پاکستانی کی بنیاد دو قومی نظریہ پر ہے جو قرآن مجید کا عطا کردہ غیر متبدل اصول ہے۔

(2) اگر خدا نے تحریک پاکستان کو کامیابی عطا فرمائی تو اس سرزمین میں حضور خاتم النبیین ﷺ کی طرز پر حکومت قائم ہو گی۔ جس کا نام خلافت علیٰ منہاج نبوت ہو گا بالفاظ دیگر اس حکومت کے ہر دائرے میں قرآن حکیم کی حکمرانی ہو گی۔

(3) اکھنڈ بھارت کی اسکیم کا مردانہ وار مقابلہ کیا جائے گا اور اسے کسی صورت میں بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ (اور ان کے علاوہ کچھ تنظیمی قراردادیں) مرد مومن کے مطابق مرتب اور منظوری کی گئیں جسے ایک گوشے سے ''کافر اعظم'' کہہ کر پکارا جاتا تھا اور دوسرے گوشے سے یہ بلند آواز کی جاتی تھی کہ اس اسکیم کے مطابق جو مملکت قائم ہو گی، اس میں حکومت ہندوؤں کی کافرانہ حکومت سے بھی بدتر ہو گی۔

## قائداعظم کا بلند کردار اور قرآنی بصیرت

تشکیل پاکستان کے بعد قائداعظم کے پیش نظر سب سے پہلا اور سب سے اہم مقصد اس سرزمین کی سرحدوں کا تحفظ تھا۔ اور جن لوگوں کی آنکھوں پر حسد اور تعصب نے پٹی نہیں باندھی، انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ ایسا کرنا خود قرآن مجید ہی کے ارشاد کی تعمیل میں تھا۔ وہ تشکیل پاکستان کے بعد ایک سال زندہ رہے۔ زندہ کیا یوں کہئے کہ صرف سانس لیتے رہے اور جس مہلک مرض کا وہ شکار ہو گئے تھے، اسے ایک راز کی طرح سینے میں چھپائے رکھا۔ لیکن ایک سال کے عرصہ میں انہوں نے اندرون ملک کی تنظیم اور بیرونی خطرات کی مدافعت کے سلسلے میں جو کچھ کیا، اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر نحیف ونزار مریض شخص محض قوت ایمانی کے بل بوتے پر کیا کچھ کر سکتا ہے۔ میں مختلف مکتبوں اور دارالعلوموں میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ میں نے سیاسی لیڈروں کو دیکھا اور مذہبی رہنماؤں کو بھی، لیکن مجھے پوری زندگی میں قائداعظم سے بڑھ کر کوئی شخصیت متاثر نہ کر سکی۔ میں نے ہر ایک کو ان سے کمتر پایا۔ بلندی کردار کے اعتبار سے بھی اور قرآنی بصیرت کے نہج سے بھی۔ اس قسم کے انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان کے خلاف ہذیان بک رہے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ چاند پر تھوکا خود اپنے منہ پر آیا کرتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک تو کجا، سب مل کر بھی اس بطل جلیل کے غبار راہ تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ اسے اپنے سحاب کرم کے سائے میں رکھے۔

(بشکریہ ''نوائے وقت''، سنڈے ایڈیشن مورخہ 31 جنوری 2010ء)

انگریزی سے ترجمہ: فائزہ عرفان علی (ایم ایس ایڈ)۔ قسط: اول

# مسلمانوں کے غیر مسلم لوگوں سے تعلقات کی نوعیت

ڈاکٹر زاہد عزیز، ایم ایس سی، پی ایچ ڈی (انگلستان)

اسلامی تعلیمات مسلمانوں کو غیر مسلموں سے امن وسکون سے رہنے سہنے کے سلسلہ میں تین قسم کے تعلقات کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتا ہے جن کا تعلق فلسفیانہ، قانونی اور اخلاقی معاملات سے ہے۔ خواہ ایسے مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں رہ رہے ہوں یا کوئی مسلمان ممالک کا معاملہ دنیا میں دیگر ممالک سے تعلق رکھتا ہو۔

## فلسفیانہ نوعیت

فلسفیانہ یا نظریاتی نقطہ نظر سے قرآن مجید ابتدا میں ہی سورت 1 آیت 1 میں اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ میں اللہ تمام عالموں کا رب ہوں۔ لفظ رب یا مالک اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ اللہ ایسی ہستی ہے جو بلا امتیاز قومیت اور مذہب کے انسان کی جسمانی نشو ونما اور اس کی ترقی کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہے وہ مہیا کرتا ہے۔ اللہ کسی ایک قوم، ایک نسل یا مذہب کے ماننے والوں کا رب نہیں۔ اس طرح اسلام بلا امتیاز قومیت اور مذہب کے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں اور نسلوں میں ان کی ہدایت کے لئے پیغمبر مبعوث کئے۔ اللہ تعالیٰ اگر مسلمانوں کا رب ہے تو بالکل اسی طرح وہ ایک غیر مسلم یا مسلمانوں کے دشمنوں کا بھی رب ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی آخری سورت جس کی چھ آیات ہیں وہ ایک دعا بھی ہے جو اس طرح شروع ہوتی ہے: ”کہہ میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود کی۔ جو تمام انسانوں کا رب ہے۔“ مزید براں انسانیت کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید مسلمانوں کو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری انسانیت کو بطور ایک قوم کے ایک ہی تخلیق کے ذریعہ پیدا کیا تا کہ وہ ایک ہی گھر میں اسی زمین کے فرش پر جو ان کے پیروں تلے ہے یعنی اسی زمین اور اسی آسمان کے نیچے زندگی گذاریں۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

”اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم متقی ہو جاؤ۔ وہ جس نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا اور آسمان کو عمارت اور اوپر سے پانی اتارا۔ اور پھر اس کے ساتھ تمہارے لئے پھلوں سے رزق نکالا“ (۲:۲۱۔۲۲)۔

تمام انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور اسی طرح ان کے آباؤ اجداد بھی مخلوق تھے اور یہ تمام مخلوق زمین پر زندگی گذارتے، فضاء سے ہوا کے ذریعہ زندہ رہتے اور اسی زمین سے ہی اپنی بقا کے لئے رزق حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے انسان کو اسی ذات کی عبادت کرنی چاہیے، اور کسی انسان یا قوم کو دوسرے انسان یا قوم کی خدمت یا تابعداری نہ کرنی چاہیے۔ اسی طرح قرآن مجید ایک دوسری جگہ صرف ایمان لانے والوں کو ہی نہیں بلکہ پورے انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

”اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک ہی اصل سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ اور اللہ کے حقوق کی جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں کی نگہداشت کرو“ (۴:۱)۔

اس جگہ یہ ضروری نہیں کہ اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ انسان کا اول جوڑا حضرت آدم اور حوا تھے جن سے ساری نسل انسانیت وجود میں آئی۔ یہاں واضح مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورتیں ایک ہی اصل اور اصول پیدائش کے ذریعہ وجود میں آئے اور اب بھی اسی طرح وجود میں آتے ہیں اور آئندہ بھی وجود میں آتے رہینگے۔

اور اسی طریق پر پوری انسانیت وجود میں آتی۔ اس آیت کے آخر میں باہمی خونی رشتہ کی نگہداشت کو ادا کرنے پر زور دیا گیا ہے اور یہ صرف کسی خاندان، قبیلہ یا قوم کے باہمی تعلقات کے ذکر تک محدود نہیں بلکہ واضح طور پر اس میں اشارہ پوری انسانیت کی طرف ہے۔ بلکہ اس بات کا بھی واضح طور پر ذکر ہے کہ پوری

انسانیت ایک ہی اصل سے وجود میں آتی ہے۔ اس لئے پوری انسانیت سے رحم دلی اور خوشگوار تعلقات کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔

پوری انسانیت یا امت کی واحدت کا واضح ذکر قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی آیا ہے: ’’سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں۔ پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا، خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری تا کہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے‘‘۔(۲:۲۱۳)

’’اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں یا امت ہیں سو وہ اختلاف رکھتے ہیں‘‘۔(۱۰:۱۹)

پوری انسانیت ایک قوم کا حکم رکھتی ہے جس کے افراد خیالات میں ایک دوسرے سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن اس اختلاف کو زیادہ مفید طریق سے استعال کیا جاسکتا ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید کا ارشاد یہ ہے:

’’ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور طریق مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی (مذہبی) گروہ بنا دیتا۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہارے جوہر پرکھے۔ سو نیکیوں کو آگے بڑھ کر لو۔ تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پس جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں بتا دیگا‘‘(۵:۴۸)۔

یہاں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ تمام مذاہب نے نیک اعمال کو بجا لانے کی تبلیغ کی اور پھر ایسے تمام مذاہب کے ماننے والوں نے نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ جب تک ہماری زندگی کا قیام اس سرزمین پر رہیگا۔ عقاید اور نظریات میں ہمیشہ اختلاف رہیگا اور پھر موت کے بعد ہی ہمیں پتہ چلے گا کہ کون صحیح راستہ پر تھا اور کون غلط راہ پر تھا۔ مذاہب میں اصولی طور پر کوئی اختلاف نہیں۔ مسلمانوں کو دوسروں تک اس پیغام کو پہنچانا ہے:

’’اللہ ہمارا رب اور تمہارا رب ہے ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے عمل۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہمیں جمع کریگا اور اسی کی طرف انجام کار پھر کر آنا ہے‘‘(۴۲:۱۵)۔

تمام انسانوں کی فطرت ایک جیسی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے: ’’فطرت پر قائم رہ جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدائش کو کوئی بدل نہیں سکتا‘‘ (۳۰:۳۰)۔

قوموں اور لوگوں کے درمیان اختلافات سے اس بات کا اظہار نہیں ہوتا کہ ایک قوم یا ایک جگہ کے لوگ دوسری قوم یا لوگوں پر فوقیت یا نچلہ درجہ رکھتے ہیں۔ بلکہ اس حقیقت کے مطالعہ سے انسان کے علم اور دوسروں کے متعلق معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے:

’’اور اللہ کے نشانوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں علم والوں کے لئے نشان ہیں‘‘ (۳۰:۲۲)۔

مزید: ’’اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو (اور ان کے متعلق معلومات حاصل کرسکو)۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے پرہیزگار ہے‘‘(۴۹:۱۳)۔ پس قرآن مجید کی تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام انسانیت کا پیدا کرنے والا ہے اور اس لحاظ سے تمام لوگ ایک قوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور تمام اقوام میں اللہ کے رسول مبعوث ہوئے اور اس لئے مسلمانوں کو ان تمام رسولوں پر ایمان لانا چاہیے جس طرح وہ رسول اکرم صلعم پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ حقیقت مسلمانوں کو اس فلسفیانہ اور نظریاتی بنیاد کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ مسلمانوں کو تمام دوسرے لوگوں سے امن اور دوستانہ تعلقات رکھنے چاہیے تا کہ وہ دوسروں کے سات امن اور سکون سے رہ سکیں۔ قرآن مجید کی اس تعلیم کے عملی اثرات کی وضاحت کے سلسلہ میں رسول اکرم صلعم کی زندگی سے چند مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں:

’’ایک موقع پر ایک جنازہ ہمارے سامنے سے گزر رہا تھا اور رسول اکرم صلعم اور ان کے ساتھ ہم سب تعزیماً کھڑے ہوگئے۔ ہم نے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا: جب کبھی تم کوئی جنازہ دیکھو تو تمہیں کھڑا ہو جانا چاہیے‘‘ (بخاری باب ۵۰ کتاب: جنازہ)

’’سہل ابن حنیف اور قیس ابن سعد قادسیہ کے شہر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا اور وہ کھڑے ہوگئے۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ جنازہ اس شہر کے ایک رہنے والے کا ہے۔ انہوں نے کہا: ایک مرتبہ ایک جنازہ رسول اکرم صلعم کے سامنے سے

گزرا اور آپ صلعم کھڑے ہوگئے ۔ جب آپؐ کو بتایا گیا کہ یہ ایک یہودی کی میت تھی تو آپؐ نے فرمایا : کہ کیا وہ ایک انسان نہیں ہے'' (بخاری۔کتاب: الجنازہ باب ۵۰)۔

ایک اور واقعہ کا ذکر بھی کیا جاسکتا ہے۔ رسول اکرم صلعم کی ایک بیوی صفیہؓ یہودی تھیں اور ایک مرتبہ آپؐ کی عرب بیویوں میں سے ایک بیوی حفصہؓ نے اس بیوی کے متعلق طنزیہ طور پر کہا کہ تم تو ایک یہودی عورت ہو۔ جب رسول اکرم صلعم نے اس بات کو سنا تو آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو کہا کہ تمہیں ان کو اس بات کا یہ جواب دینا چاہیے تھا کہ کیا تم مجھ سے بہتر ہوسکتی ہو جبکہ میرا خاوند محمدؐ ہیں میرا باپ حضرت ہارونؑ تھے اور میرے چچا حضرت موسیٰؑ تھے (ترمذی۔ ابواب: مناقب۔ باب: نبی اکرم صلعم کی ازواج کے نیک اخلاق)۔

رسول اکرم صلعم نے حضرت حفصہؓ کو ڈانٹا اور کہا: خدا کا خوف کرو۔ حضرت حفصہؓ رسول اکرم صلعم کے نہایت قریبی اور دیرینہ اور معززترین ماننے والے حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں اور حضرت حفصہؓ کا تعلق رسول اکرم صلعم کے قبیلہ سے ہی تھا۔لیکن رسول اکرم صلعم یہاں اس بات کا برملا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ان کا تعلق تو صرف ایک نبی سے ہے حالانکہ حضرت صفیہؓ کا تعلق اس سے بڑھ کر حضرت ہارونؑ سے جو ان کے والد تھے اور پھر ان کے چچا حضرت موسیٰؑ تھے ۔ مسلمانوں کے ایمان کے مطابق حضرت صفیہؓ کا تعلق تین نبیوں سے جڑتا ہے ۔ رسول اکرم صلعم نے اپنی بیوی صفیہ کو کہا کہ ان کو فخر کرنے والی عرب خواتین کو جو خود کو رسول اکرم صلعم کی رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے ایک یہودی خاتون کو طعنہ دیتی ہیں اس طرح جواب دینا چاہیے تھا۔

## قانونی بنیاد

مسلمانوں کو دوسرے لوگوں کے ساتھ امن اور مل جل کر رہنے کی قانونی بنیاد ذیل کا سادہ لیکن نہایت اہم حکم فراہم کرتا ہے: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اقراروں کو پورا کرو۔'' (۱:۵)

لفظ **عقود** جس کا واحد **عقدہ** ہے اس میں تمام قسم کے معاہدات، اقرار نامے، سمجھوتے اور سودے وغیرہ شامل ہیں جو ایک مسلمان کسی غیر مسلم سے کرے، جہاں وہ رہ رہا ہے جہاں مسلمانوں کو عبادت، مساجد میں جانے اور اپنے آپ کو مسلمان کہنے کی اجازت ہے۔اور ایسے ملک میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ملک کے قانون کی پاسداری کرے اور تمام معاہدات وغیرہ کا پورا کرنا اس کا مذہبی اور قانونی فریضہ ہونا چاہیے۔

قرآن مجید تمام معاہدات اقرار نامے اور دیگر وعدوں کو پورا کرنا ایک مسلمان کا بنیادی فرض قرار دیتا ہے بالکل اسی طرح جس طرح اس کے ایمان کی بنیادی شرط ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے اور نماز کے فرائض ادا کرے۔ ان امور کی وضاحت ذیل کی قرآنی آیت میں کردی گئی ہے:

''اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' (۲۳:۸،۹)

''نیک وہ شخص ہے جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اور اپنے اقرار کو پورا کرتا ہے ۔ جب وہ کوئی اقرار کرے''۔(۲:۱۷۷)

جو مسلمان اپنے اقرار یا وعدہ کی خلاف غرضی کرے وہ اللہ کے نزدیک قابل مواخذہ ہیں:

''اور عہد کو پورا کرو کیونکہ ہر عہد کے متعلق سوال کیا جائیگا''۔(۱۷:۳۴)

جب مسلمان حکومت کے امور ان لوگوں کے سپرد کئے جاتے ہیں جو ان پر حکومت کرتے ہیں یعنی جب وہ کسی انتخاب کے ذریعہ یہ امور ان کے سپرد کئے جائیں خواہ یہ ملک مسلمانوں کا ہو یا غیر مسلموں کا۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی ہدایات یہ ہیں:

''اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو ۔ تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو''۔(۴:۵۸)

کسی کو کسی قسم کی حکومت یا اختیار کے لئے انتخاب کرتے وقت عہدہ کے لئے اس کی اہلیت اور قابلیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔حکومت کرنے والے یا حکام کا عادل ہونا انتہائی ضروری ہے جو سب لوگوں کے درمیان صحیح عدل سے کام لیں اور اگر کوئی مسلمان انصاف کے اس مقام پر فائز ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ سب لوگوں کے مابین عدل وانصاف سے کام لے۔

## سیکولر یا لادینی حکومت

قرآن مجید کی سورت ۱۲ کا نام یوسف ہے اور یہ ساری کی ساری سورت بائیبل کے ایک نہایت معروف نبی کی زندگی کے حالات کے متعلق ہے ۔ یہ ایک مانی ہوئی بات ہے کہ قرآن مجید میں جن گذشتہ انبیاء کی تاریخ بیان کی گئی ہے اس سے مقصود مسلمانوں کو ان کے لئے ایک مثالی کردار کے طور پر پیش کرنا ہے۔حضرت یوسفؑ اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کی وحدت الٰہی کی تعلیم کی نہ صرف پیروی کررہے تھے بلکہ اس کی تبلیغ بھی کررہے تھے۔حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی وحدت کی تعلیم مصر کے بادشاہ فرعون اور اس کی حکومت میں رہتے ہوئے ان تک پہنچائی جو

ان تعلیمات کی پیروی نہ کرتے تھے۔ یہ بالکل وہی صورت حالات ہیں جیسے ایک مسلمان آج ایک ایسے ملک میں رہ رہا ہو جہاں کی حکومت غیر مسلم ہو۔

جب حضرت یوسفؑ نے مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی تعبیر یہ کی کہ سات سال وافر غلہ کے بعد سات سال قحط کے آئینگے۔ تو بادشاہ نے خود حضرت یوسفؑ کی خواہش کے مطابق ان کو ملک کے خزانے کا وزیر بنا دیا۔ وہ حاکموں کے نزدیک حکومتی خزانے کے ایک معزز، امین اور نہایت قابل نگراں گردانے گئے (۱۲:۵۴۔۵۵)۔ سورت یوسف میں درج تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا فرسلطنت میں قانون اور عدل کا نہایت اعلیٰ معیار تھا۔ جب حضرت یوسفؑ کے بھائی مصر آئے تا کہ قحط کے دنوں میں مکئی کے غلہ کا اپنا حصہ وصول کریں۔ تو حضرت یوسفؑ نے اپنے سگے بھائی بن یامین کو اپنے پاس رکھنا چاہا جبکہ دوسرے بھائی اپنے وطن کو واپس چلے جائیں۔ لیکن قرآن مجید اس بارے میں یہ لکھتا ہے: ''وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہ رکھ سکتا تھا جب تک اللہ نہ چاہتا''۔ (۱۲:۷۶)

ملک کے قانون کے مطابق حضرت یوسفؑ اپنے بھائی بن یامین کو اپنے پاس نہ رکھ سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک وطن سے دوسرے وطن میں رہنے کے قانون کی پاسداری کی۔ نہ اس کو توڑا اور نہ ہی اپنی سرکاری حیثیت کا ناجائز استعمال کیا تا کہ اپنے بھائی سے امتیازی سلوک کر سکیں۔ الفاظ ''جب تک اللہ نہ چاہے'' کا اشارہ ان واقعات کی طرف ہے کہ ایسا ہوا کہ یوسفؑ کے بھائیوں نے شرارت سے شاہی پیالہ کو جس کے ذریعہ لوگوں کو غلہ بھر بھر کر دیا جاتا تھا، بن یامین کی بوری میں ڈال دیا۔ اور چوری کے الزام میں بن یامین کو روک لیا گیا اور وہ مصر میں رہ گئے۔ اور اس طرح حضرت یوسفؑ کی یہ خواہش پوری کرنے کے سامان پیدا ہوگئے۔ یہ تفسیر کہ خود حضرت یوسفؑ نے اپنے عمل کے ذریعہ اس پیالہ کو بن یامین کی بوری میں رکھوایا ایک من گھڑت کہانی ہے جو ایک نبی کے کسی طرح بھی شایان شان نہیں ہے۔

اس سورت میں اس نصیحت کو دہرایا گیا ہے کہ ایک سچا مسلمان جو اسلام کی تعلیمات کی تبلیغ کرتا ہے وہ ایک غیر مسلم حکومت کا وفادار کارندہ بھی ہو سکتا ہے اور اس حیثیت میں غیر مسلم حکومت کی اخلاقی اور معاشی بھلائی میں موثر کردار ادا کر سکتا ہے اور اس کا یہ عمل کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور وہ ایک غیر مسلم حکومت کے انتظام وانصرام میں اعلیٰ سطح پر نہ صرف کام کر سکتا ہے بلکہ نہایت دیانت داری سے اس کے قوانین کی پابندی بھی کرتا ہے۔ ان واقعات میں اس بات کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ ایک غیر مسلم حکومت میں بھی وہ اعلیٰ اور قابل ستائش قوانین اور عدل اور معیار پر عمل پیرا ہو سکتا ہے اور ان مثالوں کو مسلمانوں کو پیش نظر رکھ کر ایک اعلیٰ نمونہ دنیا کو دکھانا چاہیے۔

## اخلاقی بنیادیں

مندرجہ ذیل قرآنی آیت میں مسلمان کے لئے ان بنیادی فرائض کی فہرست فراہم کی گئی ہے جس پر عمل کرنے سے ایک مسلمان یا مسلمانوں کی جماعت دوسرے غیر مسلم لوگوں کے ساتھ امن، سکون اور دوستی کی زندگی گزار سکتے ہیں:

''اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور غریبوں کے ساتھ بھی، یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے''۔ (۴:۳۶)

اس آیت میں نہایت وضاحت سے ایک اجنبی ہمسایہ کو بھی ان لوگوں میں شامل کیا گیا ہے جن کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کا تعلق کسی ملک یا مذہب سے ہو اور ان لوگوں کی فہرست میں والدین، رشتہ دار اور اپنے پڑوسیوں کو تو پہلے ہی شامل کیا گیا ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے جیسے والدین، رشتہ دار، یتیم وغیرہ وہ غیر مسلم بھی ہو سکتے ہیں جن کے ساتھ ایک مسلمان کو نیک سلوک کرنا چاہیے۔ کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کردار کا ایک مثبت پہلو ہے جو کسی کو نقصان نہ پہنچانے سے کئی درجے بہتر بات ہے۔

اس آیت میں ان لوگوں میں جن کے ساتھ ایک مسلمان کو نیکی کا سلوک کرنا چاہیے۔ ''سفر میں ساتھی اور مسافر'' کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس لئے ہوائی جہاز میں کسی ہم سفر کو نقصان پہنچانا یا اس کو ہلاک کرنے کے لئے آتشگیر مادہ یا جہاز کو حادثہ سے جان بوجھ کر شکار کرنا اسلام کی بنیادی تعلیمات کے صریحاً خلاف ہے۔

احادیث میں بے شمار ایسے واقعات اور نصائح رسول پاک صلعم کے حوالے سے درج ہیں جن میں ہمسایہ کے ساتھ نیک سلوک کی بار

بار تلقین کی گئی ہے۔

چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

''حضرت جبرائیل مسلسل مجھے اُس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ میں ہمسائیوں سے اچھا سلوک کروں ۔ یہاں تک کہ مجھے یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ وہ ہمسایہ کو میرے وارثوں میں شامل کردینگے۔''

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم ! وہ کسی پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ کسی پر ایمان نہیں رکھتا۔ جب پوچھا گیا: وہ کون شخص ہے یا رسول اللہ صلعم۔ آپؐ نے فرمایا: ایسا شخص جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں۔''

''جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔''

''جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر اس کو چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کی عزت کرے۔''

صحیح مسلم میں ہمسایوں کے متعلق احادیث کو ''باب الایمان'' میں درج کیا گیا ہے جن میں ان بنیادی عقائد اور اعمال کا ذکر ہے جن کو ایک مسلمان کو ضرور قبول کرنا چاہیے تا کہ وہ مسلمان کہلا سکے۔

''نبی اکرم صلعم نے کہا: اس شخص کا کوئی ایمان نہیں یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی یا اپنے ہمسایہ کے لئے وہ کچھ پسند نہ کرے جو وہ خود اپنے لئے پسند کرے''۔(کتاب ا، باب ۱۸، نمبر۷۲، ۷۳)

گذشتہ گذارشات کے دوران قرآن مجید کی سورت نساء کی آیت ۳۶ کا حوالہ دیا گیا تھا جہاں اپنے لوگوں ، اپنے نسل یا مذہب کے ہمسایہ میں اور ایک ہمسایہ جس کا تعلق کسی اور قوم یا مذہب سے ہو میں کوئی فرق نہیں روا رکھا گیا۔

قرآن مجید اور اسوہ رسول اکرم صلعم کی روشنی میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ واضح متند تعلیمات پر انفرادی، اجتماعی یا ممالک کی سطح پر عمل کرے اور اپنے غیر مسلم ہمسایوں کے ساتھ امن اور خوشگوار ماحول میں زندگی گذاریں۔ ہمسایوں کے علاوہ مذکورہ بالا قرآنی آیت کی روشنی میں تو اسے اپنے ہم سفر کے ساتھ خواہ وہ فضاء میں ہو یا زندگی کے دیگر دنیاوی معاملات ہوں نیک اور خوشگوار طریق پر رہنا چاہیے۔

## ممتاز علماء کی آراء

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ گذشتہ صفحات میں جو نکات پیش کئے گئے ہیں کیا ان کو صرف مسلمانوں کا صرف ایک انتہا پسند نظریاتی چھوٹا سا گروہ ہی مانتا ہے یا ان کو مسلمانوں کا وسیع طبقہ بھی تسلیم کرتا ہے۔ یہاں مسلمان مفکرین کا سنجیدہ طبقہ جو اسلام کی تعلیمات کے اصل مقصد کو پیش نظر رکھ کر آزادانہ مطالعہ کرتا ہے اور مولویوں کے اس عمومی گروہ کے مابین فرق کرنا ضروری ہے جو لوگوں کو لاعلم اور تعصب میں جکڑا رکھنا چاہتے ہیں تا کہ ان کو اپنے زیر اثر رکھ سکیں۔ آزاد اور روشن خیال مفکرین نے ہمیشہ اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ان کی صحت کو تسلیم کیا جن کا اظہار گذشتہ صفات میں کیا گیا ہے۔ ذیل میں دور حاضر کے ممتاز مفکرین اور روشن خیال مصنفین کی تحریرات پیش کی جاتی ہیں ان میں ۴ مترجمین اور مفسرین قرآن مجید بھی شامل ہیں جن میں سے دو غیر مسلم ہیں۔

### ا۔ علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب

علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب کا قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر 1934ء میں شائع ہوا اور سب سے پسندیدہ انگریزی ترجمہ سمجھا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان کے تفسیری نوٹ میں سے اقتباس پیش کرتے ہیں:

''جبر مذہب کی روح کے خلاف ہے کیونکہ دین کا تعلق ایمان اور کسی کی مرضی پر ہے۔ یہ سب کچھ بے معنی ہو جاتے ہیں اگر جبر یا زبردستی سے کام لیا جائے۔(قرآن مجید ۲:۲۵۶ تفسیری نوٹ ۳۰۰)

''اگر ان کا بحث مباحثہ غیر ایمان والوں سے ہو تو ایمان والے لوگوں کو بے صبری اور غصہ نہ کرنا چاہیے۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کو ایمان کے معاملے میں جبر کا ارادہ بھی نہیں کرنا چاہیے یعنی جسمانی رنگ میں زبردستی سے اس کو دوسروں پر تھوپنا جیسے سماجی دباؤ یا دولت یا عہدے کا لالچ دینا یا دیگر دنیاوی فوائد کی پیشکش کے ذریعہ راغب کرنا وغیرہ۔ زبردستی ایمان میں داخل کرنے سے دین کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔(قرآن مجید ۱۰:۹۹ نوٹ: ۱۴۸۰)

''محض ہوس پرستی کے لئے لڑائی کرنا سراسر جہاد کی روح کے خلاف ہے۔ دوسری طرف ایک عالم کا قلم یا مبلغ کی موثر آواز یا ایک مالدار کے دولت کے عطیہ جات جہاد کے قابل قدر طریق ہو سکتے ہیں''۔(قرآن مجید ۹:۲۰ نوٹ ۱۲۷۰)

(جاری ہے)

☆☆☆☆

# نماز جمعہ کی انفرادی اور اجتماعی روحانی برکات

ناصر احمد، بی اے. ایل ایل بی

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی آجاؤ اور کاروبار کو چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔ اور جب تجارت یا کھیل کود کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ دیتے ہیں کہہ جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل سے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔'' (جمعہ ۱۱-۹:۶۲)

''اللہ تمہیں عدل اور احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تا کہ تم یاد رکھو۔'' (نحل ۹۰:۱۶)

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا انسان کو ایک لوتھڑے سے۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ سکھایا وہ نہیں جانتا تھا۔'' (علق ۹۶: ۵-۱)

''علق۔ تعلق پکڑنے کو کہتے ہیں۔ آج سائنس نے بتایا ہے کہ مرد و عورت کا مرکب نطفہ جب قرار پاتا ہے تو سب سے پہلے وہ رحم کو چھیدتا اور اس سے تعلق پکڑ کر لٹک جاتا ہے اسے علقہ کہتے ہیں اور اس تعلق پکڑنے کو علق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے انسان اپنی گذشتہ پیدائش پر جو فقط تیرے جسم یا حیوانیت کی پیدائش پر غور کر کہ مرد و عورت کے مرکب نطفہ نے جب رحم سے تعلق پکڑا تو ماں کے رحم کی ربوبیت سے اس کی وہ نشو و نما ہوئی کہ ایک خوبصورت مکمل انسانی جسم تیار ہو گیا۔ یہ تو ماں کے رحم سے تعلق پکڑنے کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ ماں تیرے رب کی صفت ربوبیت کا ایک ادنیٰ سا مظہر ہے تو اگر تو اپنے حقیقی رب کے ساتھ تعلق پکڑے گا اور اس کے رحم اور فضل کی آغوش میں جا پڑے گا تو تیری روحانیت یا دوسرے لفظوں میں تیری انسانیت کا نشو و نما اس کمال کے ساتھ ہو گا کہ تو اکرم ہو جائے گا۔ یعنی تمام مخلوق پر اپنی بزرگی اور شرف سے سبقت لے جائے گا اور تیرا احسن تقویم پر ہونا ہر کس و ناکس کو نظر آجائے گا۔ یہی مطلب حضرت نبی کریم صلعم کے ارشاد کا تھا کہ اللہ کا رحم اور ماں کا رحم نہ صرف تلفظ اور شکل میں بلکہ اپنے فیضان میں بھی مشابہ ہیں۔ جس طرح ماں کے رحم سے تعلق پکڑ کر ایک خفیہ نطفہ کیسا خوبصورت انسان بن کر نکلتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رحم سے تعلق پکڑ کر ایک حقیر انسان انسانیت کے تمام کمالات کو حاصل کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا وارث ہو جاتا ہے۔

میں نے ابھی آپ کے سامنے سورت جمعہ کا آخری رکوع اور سورت نحل کی آیت ۱۰ اور سورت علق کے شروع کی پانچ آیات کی تلاوت اور ان کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ ان آیات کی تلاوت سے میری غرض ان کی کوئی لمبی چوڑی تشریح کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ ان کے ذریعہ میں چند ضروری باتوں کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں جو ہماری جماعت کی خصوصیات میں سے ہیں اور جن کی طرف ضرورت ہے کہ انجمن اور جماعت کے افراد کو توجہ دینی چاہیے تا کہ موجودہ دور میں اسلام پر اعتراضات اور پھر اس کے حق میں ہونے والی تحقیقات کا علم ہو سکے۔

سب سے پہلے تو میں نماز جمعہ کی طرف آتا ہوں۔ اس سورت میں **فاسعوا الی ذکر اللّٰہ** کے الفاظ آئے ہیں کہ اللہ کے ذکر کی طرف پوری کوشش کر کے آؤ۔ اس سے امام اور نمازیوں دونوں پر ایک ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ امام کے لیے اس لحاظ سے کہ وہ اپنے خطبہ میں کوئی نہ کوئی ایسی بات قرآن اور حدیث کی روشنی میں بیان کرے جس سے نمازیوں کو روزمرہ کی زندگی میں رہنمائی حاصل ہو۔ اور نمازی کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس دن کی روحانی برکات سے پوری طرح استفادہ کرے اور زیادہ وقت ذکر اللہ میں صرف کرے۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث کا ذکر کرتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعا اذان اور خطبہ کے درمیانی مدت میں کی جائے اللہ تعالیٰ اس کو شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔ یہاں میں ایک روح پرور واقعہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کا ذکر ایک مرتبہ میں نے احمدیہ

بلڈنگ کی مسجد میں ایک خطبہ کے دوران کیا تھا۔اس سے آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ اذان اور خطبہ کے درمیانی وقفہ کی کتنی روحانی اہمیت ہے۔

آپ سب لوگ حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم و مغفور کی شخصیت ،ان کے دینی جذبہ، دین کے لیے ان کی مالی قربانیوں سے واقف ہیں ۔ان کے سب سے بڑے بیٹے مرزا داؤد بیگ کی شادی ہندوستان میں ترکی کے سفیر کی بیٹی سے ہوئی تھی ۔اس لیے مرزا داؤد بیگ صاحب ترکی میں ہی رہتے تھے ۔حضرت ڈاکٹر صاحب کو ان سے شدید محبت تھی ۔ جب ان سے حضرت ڈاکٹر صاحب کو ملے دیر ہوگئی اور مرزا داؤد بیگ صاحب اپنی مصروفیت اور لمبے سفر کی وجہ سے نہ آسکے کیونکہ ان دنوں سمندر کے راستے سے ہی سفر ہوتا تھا۔تو حضرت ڈاکٹر صاحب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مذکورہ وقفہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کی کہ وہ مرزا داود بیگ کو ملنے کے لیے آنے پر آمادہ کرے ۔مرزا داؤد بیگ صاحب کی روایت ہے کہ وہ اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک دروازہ کھلا اور والد محترم اندر تشریف لائے اور کہا کہ بیٹے مدت ہوگئی ہے آپ ملنے کے لیے نہیں آئے اور پھر والد محترم دروازے سے واپس چلے گئے ۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت مختصر سا سامان لیا۔سمندری جہاز کا ٹکٹ بک کروایا اور ترکی سے روانہ ہو کر حضرت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا واقعہ سنایا۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے ساتھیوں میں عبادت گذاری کی روح اس قدر پھونکی کہ وہ ان روحانی برکات سے فیضیاب ہوئے جن کا وعدہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں درج ہے۔اس لیے میری آپ حضرات اور خواتین سے دردمندانہ گذارش ہے کہ اذان اور خطبہ کے درمیانی وقفہ میں باتوں کی بجائے ذکر واذکار کریں اور حتی الوسع غیر ضروری باتوں سے پرہیز کریں اور وہ مائیں جو بچوں کو ساتھ لاتی ہیں ان کو اس مبارک اجتماع میں شریک ہونے کا ثواب ضرور ملے گا لیکن اگر بچے زیادہ شور کرنے لگیں تو ان کو باہر لے جائیں ۔میری ناچیز رائے میں ان کو اس کا بھی ثواب ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی نماز کے لیے بطور خاص ذکر کا لفظ استعمال کیا ہے ۔حالانکہ یہ بھی دوسری نمازوں کی طرح ہی نماز ہے ۔اس لیے اس کوشش کے لیے جو آپ نماز جمعہ میں شامل ہونے کے لیے کرتے ہیں اس کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔

اب میں سورت نحل کی آیت ۹۰ کی طرف آتا ہوں جو خطبہ ثانی کے بالکل آخر پر تلاوت کی جاتی ہے ۔اس ایک آیت میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ اور ایک مسلمان کے کردار کی نمایاں خصوصیات کا ذکر ہے ۔اس آیت کو ہر جمعہ کے آخر میں بطور یاددہانی اس لیے دہرائی جاتی ہے تا کہ ہر مسلمان کے فکر وعمل میں یہ باتیں اور احکام روزمرہ کی زندگی میں پیش نظر رہیں اور وہ اپنے زندگی کے معاملات اور تعلقات میں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا رہے ۔آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ اس میں ذیل کے اعمال کرنے کی طرف توجہ اور تاکید فرمائی گئی ہے ۔

عدل وانصاف ،ایک دوسرے سے احسان کرنا۔قریبیوں کی حتی الوسع خبر گیری کرنا ۔فحاشی اور بری باتوں اور کاموں سے اپنے آپ کو روکنا اور طبیعت کو اخلاقی اور سماجی قیود کا پابند بنانا اور ان کے بغاوت کرنے سے اپنے آپ کو روکنا۔

پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے بڑا پیارا لفظ استعمال کیا ہے یعظکم ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں لعلکم تذکرون تا کہ تم یاد رکھو۔آیت کے شروع میں فرمایا تھا ان اللّٰہ یامر کم کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کا تمہیں حکم دیتا ہے ۔لیکن چونکہ ان صفات کا ہونا انسان کی بھلائی اور معاشرت کی بھلائی کے لیے نہایت ضروری ہیں ۔اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی شفقت کو جو اس کو اپنے بندے سے ہے ۔انہی احکام کو نصیحت کا نام دے کر انسان کے دل و دماغ میں ان کی اہمیت کو جاں گزیں کرنا چاہتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نصیحت کو جو ہر ہفتہ دہرائی جاتی ہے یاد رکھیں اور ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کریں ۔تا کہ ہماری دنیاوی زندگی خوش گوار ہو۔ہم ایک خوشگوار معاشرہ میں بھلائی کی ترویج کا باعث بنیں اور ہماری اولادیں ہمارے اس نیک نمونہ سے فائدہ اٹھائیں ۔اور تب ہی ہم اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اس قابل ہوں گے کہ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے یہ دعا قبولیت کے لیے پیش کر سکیں: ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما '' کہ ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں سے اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ان کو اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔''

میں نے گذشتہ خطبہ میں پیرس کے ایک تحقیقی ادارہ National Centre for Scientific Research کا ووکنگ مشن اور برلین مشن کے متعلق جنگِ عظیم اول اور دوم کے درمیانی عرصہ میں یورپ اور مشرقی یورپ کے ملکوں میں تبلیغی سرگرمیوں کے اثر پر حالیہ شائع ہونے والی کتاب Islam in Inter-war Europe کا ذکر کیا تھا۔سب

سے پہلے میں مشرقی یورپ کے ملک البانیہ کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ یہاں ہمارے نہایت مخلص اور انتھک بزرگ بابو منظور الٰہی صاحب کے خط و کتابت اور لٹریچر ارسال کرنے سے انتہائی دوررس نتائج پیدا ہوئے اور وہاں سے تین طالب علم آئے اور انہوں نے لاہور میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہاں مسلمانوں کی دینی اور سیاسی رہنمائی میں تاریخ ساز کارنامے سرانجام دیے۔ اور آج تقریباً ستر سال کے بعد ایک محقق نے اس ملک میں اسلامی تحریکوں کے متعلق تاریخ مرتب کرتے وقت ان تین احمدی طلباء کی کاوشوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔ مسز نتھالی کلیر اس کتاب کے تحقیقی مواد کو مرتب کرنے میں ایک جرمن صاحب کے ساتھ شریک ہیں۔ گو اس کتاب میں البانیہ میں جدید اسلام کو محرک بنانے میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کا اتنا تفصیل سے ذکر نہیں جتنا اس خاتون نے اپنے فرانسیسی زبان میں مقالے بعنوان 'لاہور احمدیہ تحریک اور دونوں جنگوں کے درمیانی عرصہ میں البانیہ میں تجدید کی تحریک' میں کیا ہے۔ فرانسیسی زبان کے اس مقالے کا انگریزی زبان میں ترجمہ لندن میں ہمارے نہایت مخلص بھائی سلیم احمد صاحب نے کیا جو فرانسیسی اور جرمن دونوں زبانیں جانتے ہیں۔ انگریزی میں یہ مقالہ ہمارے ویب سائٹ ''لاہور احمدیہ آرگ'' پر موجود ہے۔ اس وقت میں اس میں سے متعلقہ اقتباسات کا ترجمہ سامعین کی دلچسپی کے لیے پیش کرتا ہوں۔

خاتون اپنے مقالہ میں لکھتی ہیں!

''۱۹۲۷ میں اپنی آزادی کے سات سال بعد البانیہ نے مستحکم ہونا شروع کیا اور اس میں سیاسی اصلاحات ہونا شروع ہوئیں اس لیے کہ جنگِ عظیم اول کے بعد کئی ملکوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ جسمانی تعلق جو بلقان کے اس چھوٹے سے ملک کی اسلامی تنظیم کو مسلمانوں کی اکثریت سے استنبول سے، جو سلطنت عثمانیہ کا دارالخلافہ تھا، گہرا تعلق تھا، یک لخت اور ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔ کیونکہ ایک طرف ۱۹۲۳ میں مسلمانوں کے لیے نیا اسلامی ڈھانچہ کھڑا کیا گیا۔ اور دوسری طرح خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ اور پھر ترکی میں عربی مدرسوں کی بندش ہوئی اور درویشوں کے مراکز بند کر دیے گئے۔ ایسے وقت میں البانیہ کی اسلامک کمیونٹی کو ہندوستان کی ایک مسلم تنظیم کا خط ملا۔ اس اسلامی تنظیم نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے اسلامی مراکز انگلستان، جرمنی اور افریقہ میں ہیں۔ جن کے ذریعہ انہوں نے انگلستان میں ایک سو سے زیادہ انگریزوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا ہے اور اس طرح تقریباً ایک سو کے قریب جرمن لوگ بھی مشرف با اسلام ہو چکے ہیں اور انگلستان اور جرمنی میں ان کی ایک ایک مسجد ہے۔ اور اس طرح یورپ کے دل میں ان کی کافی متحرک تبلیغی سرگرمیاں جاری ہیں۔

بعد کے سالوں میں البانیہ کی اسلامک کمیونٹی اور اس ہندوستانی تنظیم کے درمیان رابطے مستحکم ہوتے چلے گئے۔ ہندوستانی مسلم تنظیم دراصل لاہور کی احمدیہ انجمن اشاعت اسلام تھی۔ یہ رابطہ کیوں اور کن مقاصد کے لیے قائم کیا گیا اور کس طرح البانیہ کی اسلامی کمیونٹی پر اس ہندوستانی مسلم تنظیم کا اثر دونوں عالمی جنگوں کے درمیانی عرصہ میں بڑھتا گیا۔ یہ سوالات اور ان سے متعلقہ واقعات ہیں جن پر اس مقالہ میں تبصرے اور شواہد اکٹھے کیے گئے ہیں۔

البانیہ یورپ میں وہ واحد ملک ہے جس میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اس کی طرف لاہور احمدیہ تحریک جیسی تبلیغی تنظیم کی توجہ کا ہونا لازمی امر تھا۔ جو کہ یورپ میں ۱۹۱۷ سے سرگرم عمل تھی۔ ۱۹۱۷ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کے نمائندہ نے البانوی اسلامک کمیونٹی سے رابطہ قائم کیا۔ اس وقت تک پندرہ سال پہلے لندن کے جنوب میں ووکنگ میں ان کا مشن کامیابی سے قائم ہو چکا تھا۔ اور اس سے قریب کے زمانہ میں انہوں نے برلین مشن قائم کر لیا تھا۔ یورپ میں ان تبلیغی مراکز اور پھر انگریزی اور جرمن زبانوں میں ان کا لٹریچر شائع ہو چکا تھا۔ اسی بنا پر اس انجمن کے اسسٹنٹ سیکریٹری بابو محمد منظور الٰہی صاحب نے البانیہ کے مسلمان رہنماؤں سے خط و کتابت شروع کی اور لاہور احمدیہ تحریک کی کتابیں اور لٹریچر ارسال کیے۔ اس خط و کتابت کا کچھ حصہ البانوی مسلمانوں کی تنظیم کے اخبارات ''زظئی ظلتی''، یعنی بلند آواز میں ۱۹۲۷ میں شائع ہوئی۔ بابو منظور الٰہی صاحب کے دو خطوط کافی بصیرت افروز تھے جن کے ذریعہ لاہور احمدیہ تحریک نے البانیہ کے مسلمان رہنماؤں کو ان کے مقاصد میں رہنمائی کی اور پھر لٹریچر ارسال کرنے کی پیش کش نے کافی متاثر کیا۔

پہلا خط کافی مختصر تھا۔ انجمن نے یورپ میں اپنے اسلامی مراکز کے ذریعہ یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک روشن خیال اسلام کی ترویج کا کام کر رہے ہیں اور اس طرح مادیت سے تباہ کن اثرات کے نجات کا راستہ فراہم کر رہے ہیں۔

یہ تحریک البانوی مسلمانوں کی مدد اور حوصلہ افزائی کرنا چاہتی ہے جو دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ روحانی ترقی کریں اور اپنے دشمنوں پر سبقت لے جائیں۔ نائب سکریٹری نے خاص طور پر درخواست کی کہ وہ قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کو البانوی زبان میں ترجمہ کریں اور اس غرض کے لیے انہوں نے ترجمہ کی ایک کاپی بھی ارسال

کی۔تا کہ اس ترجمہ کے پڑھنے کی بدولت مسلمان اخلاقی اور مادی طور پر ترقی کریں۔اسسٹنٹ سکریٹری کا یہ کہنا بھی تھا کہ اس ترجمہ کے پڑھنے سے البانوی مسلمانوں میں ایک نئی روح بیدار ہوگی خاص طور پر تعلیم یافتہ نوجوانوں میں اور اس طرح یورپ میں اسلام کے پھیلنے کے زیادہ روشن امکانات پیدا ہوں گے۔

اس خط وکتابت سے اس بات کے شواہد بھی ملتے ہیں کہ ۱۹۲۷ میں ہی وہ البانیہ میں اپنا بلقان مشن قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔بابو منظور الٰہی صاحب نے البانوی مسلمان رہنماؤں کو یہ تجویز بھی پیش کی وہ لاہور انجمن کی طرح نظام قائم کریں اور ماہوار آمدنی کا مخصوص حصہ اکٹھا کریں اور لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ البانوی تنظیم کو خدمت اسلام کے لیے اپنی دولت اور وقت دیں لیکن البانوی انجمن کی نظر میں اس وقت کے حالات میں یہ تجاویز قابل عمل نہ تھیں۔اس رقم سے بابو منظور الٰہی کی تجویز تھی کہ وہ لاہور سے آمدہ انجمن کے ارسال کردہ انگریزی اور جرمن زبان میں لٹریچر کو البانوی زبان میں ترجمہ کر کے مفت تقسیم کریں۔

۱۹۳۹ سے پہلے تک جب اٹلی کی حکومت نے زبردستی البانیہ پر قبضہ کر لیا تھا البانوی مسلمانوں کا رسالہ ''بلند آواز،، کے ہر شمارے میں لائٹ اخبار، ماہنامہ اسلامک ریویو، انگلستان یا برلین مشن کے رسالہ ''مسلمش ریویو'' اور لاہور کے ''ینگ اسلام'' کے کوئی نہ کوئی مضمون کا البانوی ترجمہ اس میں شائع ہوتا تھا۔اس طرح حضرت خواجہ کمال الدین صاحب کی کتابیں Table Talk, Al-Islam اور Threshold of Islam اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کے کئی کتابچے اور ایک کتاب کا البانوی زبان میں تراجم شائع ہوئے۔اس طرح ۱۹۳۶ میں لاہور کے اخبار ''لائٹ'' کے سپلیمنٹ کے طور پر البانوی زبان میں ۴۴ شمارے شائع ہوئے جن کا مقصد البانوی مسلمانوں کو انجمن کی کتب اور ان کے تبلیغی کارناموں سے متعارف کروانا تھا۔

لاہور احمدیہ انجمن کے لٹریچر اور تبلیغی سرگرمیوں کے اثرات کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ترانا مدرسہ کے ڈائریکٹر اور لیکچرار جناب یونس یولیج صاحب جرمن زبان میں انجمن کے رسالہ اور کتابچوں کو البانوی زبان میں ترجمہ کرتے تھے۔اور انگریزی زبان سے البانوی زبان میں ترجمہ کا کام جناب عمر ایم شارا صاحب کرتے تھے جو ترانہ میں امریکن ٹیکنیکل کالج میں حساب کے پروفیسر تھے۔

محترمہ نتھالی کلیر کا یہ مقالہ ۱۳ فل سکیپ صفحات پر مشتمل ہے جس میں پچاس کے قریب حاشیے بھی دئے گئے ہیں جن میں کافی تفصیل اور دلچسپ معلومات فراہم کی گئیں ہیں۔

اس مقالہ میں یہ بھی درج ہے کہ ۱۹۴۰ میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کے بڑے بھائی مولانا عزیز بخش صاحب کی بھی خط وکتابت البانوی اسلامک سوسائٹی سے رہی۔پھر البانیہ سے جو تین طلبا لاہور میں دینی تعلیم کے لیے آئے تھے ان کے نام شریف پترا، ایوب فضل کراجا اور حلال یونس رپشتی تھے۔ان میں شریف پترا تو البانیہ میں ایک معروف صحافی بنے۔بقیہ دو میں سے ایک سیاسی لیڈر بنے۔

آخر میں اس خاتون مقالہ نگار نے ایک دلچسپ بات لکھی ہے کہ یہ ایک تضاد سے کم نہیں معلوم ہوگا کہ اسلام کو مغرب میں جدید رنگ میں پیش کرنے اور سمجھنے کے لیے مشرق کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔اور اس میں لاہور احمدیہ کے تحریک کا نمایاں کردار نظر آتا ہے۔

میں نے گذشتہ خطبہ میں ایک برطانوی نومسلمہ کے حج کے تأثرات سنائے تھے۔آج میں کیمبرج یونیورسٹی کے ایک برطانوی پروفیسر جنھوں نے اسلام قبول کر لیا ہوا ہے اور وہ ٹی وی پر اسلام کے بارے میں نہایت عالمانہ لیکچر بھی دیتے ہیں۔ان کے تأثرات ''حج۔ایک روحانی سفر'' (از پروفیسر عبد الحکیم مراد، ڈین۔فیکلٹی آف ڈوینٹی، کیمبرج یونیورسٹی۔انگلستان)۔کے عنوان سے لندن کے ایک ماہوار رسالہ EMEL میں شائع ہوئے ہیں۔ان کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

''کائنات کی ہر چیز کا ایک مرکزی نقطہ ہے۔اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کی عبادت اس کی روح اور اس کو وجود میں لانے اور اس کی بقا کے لیے اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ اس نے پوری کائنات کی تخلیق اور اس دنیاوی کائنات میں زمین کا مرکز کعبہ کو بنایا ہے۔زمین پر نیکی، پاکیزگی اور باطنی جوش وجذبہ کا مقناطیسی مرکز کعبہ سے بڑھ کر کوئی جگہ نہیں۔ایک ایمان سے بھرپور مسلمان کے لیے کعبہ اللہ تعالیٰ کی وحدت کا زندہ نشان ہے اور اسی ہستی کی ہم کائنات کی تمام مخلوق سے بڑھ کر عبادت کرتے ہیں اور اس کی حمد کرتے اور اس کی بڑائی بیان کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہستی ہے جو دنیاوی علوم میں آخری سربستہ راز ہے۔اس ہستی کے انسانی ادراک سے بالا اس ہستی کے تخت کے گرد غیر مرئی ہستی رکھنے والے فرشتے اس کے حکم کے منتظر رہتے ہیں۔لیکن جب ایک حاجی کعبہ کے قدیم گھر کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں ایک انجانا خیال پیدا ہوتا ہے جس کی بظاہر اس کو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اور وہ انجانا خیال یہ ہے کہ یہ گھر حقیقی معنوں میں ایک زندہ علامت ہے ایک ایسی غیر مرئی روحانی روشنی کا جو انسانی سمجھ سے بالاتر ہے۔

مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دس احکامات کی نہایت اخلاص سے فرمانبرداری کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جس کا ذکر پرانے عہد نامہ کی کتاب استثنا باب ۱۷ آیت ۵ میں ہے کہ ان کی تراشی ہوئی مورتیوں کو جلا دینا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے بتوں کو توڑا اور اس کی پاداش میں انہیں ریگستان کی طرف ملک بدر کر دیا گیا۔اور پھر انہوں نے مکہ میں آکر خدائے واحد کی عبادت کے لیے کعبہ کے مقدس گھر کی تعمیر نو کی۔ان کی وفات کے بعد ان کی آنے والی نسلوں نے ان کے احکامات میں سب سے آسان کلمہ کو بھلا دیا جس کی تبلیغ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی۔اور ۳۰۰ یا ۳۶۰ بت اس مقدس گھر میں اور اس کے اردگرد رکھ کر اس کی پرستش شروع کر دی۔وہ مقدس گھر جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر اس بے آب وگیاہ وادی میں تعمیر کیا تھا۔جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰ سال کی جلاوطنی کے بعد اس شہر میں دوبارہ داخل ہوئے جس میں دس سال مدینہ کی جلاوطنی کے بھی شامل ہیں جس دوران مکہ میں انہوں نے اور ان کے جانثار صحابہ نے شدید ترین مصائب اور ظلم وستم برداشت کیئے۔

فتح مکہ کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر سوار رہتے ہوئے اس مقدس گھر کا طواف کیا اور ہر ایک بدصورت اور شرمناک بت کو اپنی چھڑی سے چھوا اور ان کو گرانیکا حکم دیا اور اس طرح وہ سارے بت جن کی خدا کی بجائے عبادت کی جاتی تھی منہ کے بل زمین پر گر گئے۔اس دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز میں قرآن مجید کی بنی اسرائیل کی آیت **جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کا ن زھوقا** تلاوت کر رہے تھے اور آپ ؐ نے دنیا والوں کو یہ پیغام سنایا کہ آخر حق غالب آگیا اور باطل کا خاتمہ ہو گیا۔اور بے شک باطل کا خاتمہ ہونا ہی تھا۔(۱۷:۸۱)

مسلمان جن کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ خالص ترین صورت میں خدا کی وحدانیت کے وارث ہیں ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ اس اللہ کے قدیم ترین گھر کی طرف اپنی روزانہ کی پانچ نمازوں میں منہ کر کے سجدہ ریز ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ مقدس گھر مسلمانوں کی نمازوں کا محور ہے۔

اگر کوئی اس مقدس گھر کو انتہائی بلندی سے نظارہ کرے اور وہ اس روحانی روشنی کو دیکھنے کی اہلیت رکھتا ہو جو ہر نمازی کے دل سے عبادت کے دوران نکل رہی ہوتی ہے، تو ایسے نمازیوں کے اٹھتی ہوئی لامتناہی موجیں اور لہریں نظر آئیں گی جو دنیا کے گرد چکر لگا رہی ہوتی ہیں۔

اب جب کہ مغرب کے لوگوں کی بڑی تعداد کو اسلام کی تعلیمات کی روشنی سے منور ہونے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے اور خود مسلمانوں کا وجود بھی ان ممالک میں ایک حقیقت بن کر ابھر رہا ہے۔تو مغرب میں روحانی تاریکی کی جگہ اسلام کی مسیحائی کی روشنی جگہ لے رہی ہے۔اور ان کو یہ آواز **لا الٰہ الا اللّٰہ** کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،، نہایت واضح اور فاتحانہ انداز میں سنائی دینے لگی ہے اور وہ ملک جہاں مادیت نے دلوں کو روحانی کھنڈر بنا دیا ہوا ہے وہاں توحید کی نئی روشنی جگمگانے لگی ہے۔دن میں پانچ مرتبہ کعبہ ہماری توجہ دنیا کے مادی تفکرات سے ہٹا کر اپنی طرف کھینچتی ہے اور **اللہ اکبر** یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے بڑی حقیقت ہے اور یہی عظیم الشان ہستی تمام تر علم ناپیدا کنار عظمت اور حسن و جمال کی علامت اور سرچشمہ ہے۔جب ایک مسلمان نماز کے لیے الگ تھلگ کھڑا ہوتا ہے جبکہ دوسرے لوگ اپنی دنیاوی اغراض اور خواہشات میں گھرے ہوتے ہیں۔تو وہ ایسے تمام خیالات اور معاملات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے جو اسے خدا کی طاقت، اس کا محاسبہ اور اس کے رحم سے غافل کر رہے ہوتے ہیں۔ذرا تصور کریں خدا کا بندہ سوتا ہے تو اس کا منہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے وہ مرتا ہے تو اس کا منہ کعبہ کی طرف ہوتا ہے اور جب اس کو قبر میں لٹایا جاتا ہے تو اس کا منہ کعبہ کی طرف کیا جاتا ہے گویا کہ وہ اس دن کے انتظار میں ہے جب قیامت کے دن اس کو دوبارہ اس آخری بلاوہ کے لیے اٹھایا جائے گا یہ کیفیت ایسی ہی ہوگی جیسے اس دنیا میں اذان ایک مسلمان کو دنیا کی روحانی موت سے زندگی کی حقیقت کی طرف بلاتا ہے۔''

اب میں سورت علق کی پہلی پانچ آیات کو لیتا ہوں۔یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی وحی میں کوئی حکم نہیں دیا نہ کوئی نصیحت کی۔اگر ذکر کیا تو پڑھنے کا۔ذکر کیا ہے تو یہ کہ انسان کی تخلیق کیسے ہوئی۔ذکر کیا ہے تو یہ کہ علم کے ذریعے سے ہی انسان عزت وشرف حاصل کر سکتا ہے۔

تحریک احمدیت کے بانی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآن مجید کے مطالعے کی اہمیت کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے مطالعہ کا بھی اپنی کتب میں عملی مظاہرہ کیا بلکہ اپنی جماعت کو اس طرف توجہ دلانے کے لیے کئی اقدام کیئے جن میں سب سے اہم ''ریویو آف ریلیجنز''یعنی تمام مذاہب پر تبصرہ'' کے نام سے انگریزی میں رسالہ جاری کیا۔پھر بعد میں اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہونے لگا۔اپنی کتاب ''مسیح ہندوستان

میں'' تاریخ، آثار قدیمہ، طب کی معروف مشرق ومغرب کے مصنفین کی کتب کے حوالے دے کر حضرت مسیحؑ کے ہندوستان کی طرف سفر کو اور ان کے سرینگر میں مقبرہ کے شواہد پیش کئے۔ایسا سب کچھ تبھی ممکن ہوا کہ انہوں نے علم کے ان تمام شعبوں کا دن رات محنت شاقہ کر کے مطالعہ کیا اور پھر خداداد قابلیت سے اس کو زوردار الفاظ میں لکھ کر شائع کیا۔

علم حاصل کرنے کے دو بڑے ذرائع ہیں اول پڑھنا پھر اس کو تحریر میں بیان کرنا تاکہ دوسرے اس سے مستفید ہوں۔اس بات کو محاورے میں کہتے ہیں دیئے سے دیا جلانا۔اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی میں پہلا لفظ ''اقراء'' نازل کر کے نہ صرف علم کی قدر ومنزلت کا مسلمانوں کو احساس دلایا ہے بلکہ اس کے حصول کو انسان کی عزت وبلندی کی بنیاد قرار دیا ہے۔

میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۶ء تک اور پھر ۱۹۹۰ء سے غالباً ۱۹۹۴ تک بکڈپو کا انچارج رہا۔اور حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی ستائیسویں اور تیسویں پارہ کی تفسیر'' انوار القرآن'' کو فروخت کرتا رہا لیکن جب احمدیہ بلڈنگس میں مولانا غلام حسین صاحب کا اچانک انتقال ہوگیا تو احمدیہ بلڈنگ کی مسجد میں جمعہ کا خطبہ دینے کی ذمہ داری کندھوں پر آن پڑی۔ چند خطبات دینے کے بعد اپنا مبلغ علم تو ختم ہوگیا۔اب میں سوچنے لگا کہ اب کیا کیا جائے۔تو یہ سوچ کر کہ ''بیان القرآن'' کے مقابل میں ''انوارالقرآن'' ذرا مختصر تفسیر ہے اور ان کا طرز بیان بھی دلچسپ ہے کیوں نہ اس کو پڑھا جائے۔اب جو اس کو پڑھنا شروع کیا۔ تو قرآن مجید کی تفسیر کا یہاں رنگ ہی اور دیکھا۔اس کو درس کے لیے استعمال کرنا شروع کیا۔اس کو جب میں نے انگریزی میں ترجمہ کر کے ٹرینیڈاڈ میں خطبات دیئے۔ تو لوگوں نے اس کو بے حد پسند کیا۔اللہ تعالیٰ نے مولانا کلام آزاد محمد صاحب کے دل میں اس کے لیے توجہ پیدا کردی اور ''انوارالقرآن'' کے دونوں حصوں کا انگریزی ترجمہ شائع ہوگیا ہے۔ بلکہ اس کے کئی حصوں کا انڈونیشی زبان اور ڈچ زبان میں تراجم ہوکر شائع ہوگئے ہیں۔

۱۹۴۳ میں شائع ہونے والی اس تفسیر کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح تقریباً ۶۰ سال بعد دنیا میں مقبولیت عطا کی۔

جب کبھی میں اس بارے میں سوچتا ہوں تو قرآن مجید کی یہ آیت میرے سامنے آجاتی ہے۔

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین ۔(حٰم ۳۲:۱۴)

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

اور اس سے بہتر کیا بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

اب میں لفظ اقرأ کی اہمیت اور انسان کی تخلیق کے متعلق حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کی تفسیر کا کچھ حصہ آپ کو پڑھ کر سناتا ہوں جس میں انہوں نے انسان کی تخلیق اور خدا سے تعلق جوڑنے کی کیا خوبصورت تفسیر کی ہے۔خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انسانی نطفے میں سینکڑوں جرثومے ہوتے ہیں لیکن ان میں سے جو جرثومہ عورت کے رحم سے تعلق پکڑ لیتا ہے وہ ایک مدت کے بعد خوبصورت بچہ بن کر جنم لیتا اور دنیا میں کارہائے نمایاں ادا کرتا ہے۔اسی طرح دنیا میں ہزاروں لوگ ہیں لیکن جو شخص خدا سے تعلق جوڑ لیتا ہے اور اس تعلق کو استقامت سے قائم رکھتا ہے تو ایک مدت کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو دوسرے لوگوں سے ممتاز اور مکرم کر دیتا ہے۔

آیئے اب یہی بات حضرت ڈاکٹر صاحب کے خوبصورت، موثر اور علمیت سے بھرپور انداز میں سنئے۔ فرماتے ہیں:۔

''علق ۔تعلق پکڑنے کو کہتے ہیں۔آج سائنس نے بتایا ہے کہ مرد وعورت کا مرکب نطفہ جب قرار پاتا ہے تو سب سے پہلے وہ رحم کو چھیدتا اور اس سے تعلق پکڑ کر لٹک جاتا ہے اسے علقہ کہتے ہیں اور اس تعلق پکڑنے کو علق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے انسان اپنی گذشتہ پیدائش پر جو فقط تیرے جسم یا حیوانیت کی پیدائش پر غور کر کہ مرد وعورت کے مرکب نطفہ نے جب رحم سے تعلق پکڑا تو ماں کے رحم کی ربوبیت سے اس کی وہ نشوونما ہوئی کہ ایک خوبصورت مکمل انسانی جسم تیار ہوگیا۔ یہ تو ماں کے رحم سے تعلق پکڑنے کا نتیجہ تھا۔ حالانکہ ماں تیرے رب کی صفت ربوبیت کا ایک ادنیٰ سا مظہر ہے تو اگر تو اپنے حقیقی رب کے ساتھ تعلق پکڑے گا اور اس کے رحم اور فضل کی آغوش میں جا پڑے گا تو تیری روحانیت یا دوسرے لفظوں میں تیری انسانیت کا نشوونما اس کمال کے ساتھ ہوگا کہ تو اکرم ہوجائے گا۔ یعنی تمام مخلوق پر اپنی بزرگی اور شرف سے سبقت لے جائے گا اور تیرا احسن تقویم پر ہونا ہر کس وناکس کو نظر آجائے گا۔ یہی مطلب حضرت نبی کریم صلعم کے ارشاد کا تھا کہ اللہ کا رحم اور ماں کا رحم نہ صرف تلفظ اور شکل میں بلکہ اپنے فیضان میں بھی مشابہ ہیں۔ جس طرح ماں کے رحم سے تعلق پکڑ کر ایک خفیہ نطفہ کیسا خوبصورت انسان بن کر نکلتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رحم سے تعلق پکڑ کر ایک حقیر انسان انسانیت کے تمام کمالات کو حاصل کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا وارث ہوجاتا ہے۔

☆☆☆☆

یادگار یادیں اور تاثرات

قسط: دوئم

# حضرت مولانا محمد یعقوب خان صاحب

روشن خیال مبلغ، مفکر اسلام، بے باک صحافی، موثر مقرر اور صبر وتحمل کا مثالی کردار

از کیپٹن (ریٹائرڈ) عبدالسلام خان، امریکہ

والد صاحب اور والدہ صاحبہ کو بچوں سے بے حد پیار تھا۔ میں نے زندگی بھر والد صاحب کو کسی میلے ٹھیلے، سینما یا دیگر لہو ولعب میں شامل ہوتے نہیں دیکھا۔ دفتر سے سیدھا گھر آتے اور بقیہ دن بچوں کے ساتھ گزارتے۔ تفریح کی خاطر گرمیوں میں پہاڑی مقام کی طرف ہجرت اور سردیوں میں ہفتہ میں دو مرتبہ مرغابی و تیتر کے شکار کی عادت شامل تھی۔ شکار پارٹی چند مخصوص دوستوں پر منحصر ہوتی تھی۔ ڈاکٹر غلام محمد صاحب (جن کا مطب برانڈرتھ روڈ پر تھا اور رہائش بھی وہیں تھی) ایک مستقل ساتھی تھے۔ ڈاکٹر غلام محمد صاحب کا ذکر خیر آیا ہے۔ تو عرض کرتا چلوں کہ یہ انسانیت و روحانیت کا حسین پیکر ایک عجیب وغریب شخصیت تھی۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تادم آخر ڈاکٹر صاحب کو مونس وغم خوار اور ہمدرد وشفیق پایا اور ہم سے ہی نہیں بلکہ تمام خدا کی مخلوق سے ہمدردی کا برتاؤ تھا۔ سرخ وسفید نورانی چہرہ اور فرنچ کٹ داڑھی، گٹھا ہوا کسرتی جسم جو کہ کالج کے زمانہ سے لے کر آخیر تک کسرتی رہا۔

انہوں نے ہم لوگوں سے زندگی بھر فیس نہیں لی بلکہ بہت سے ایسے تھے جو ان کے دست شفا سے مفت فیض پاتے تھے۔ ابھی حال ہی میں ان کے صاحبزادے ڈاکٹر وحید احمد کو ساتھ لے کر میاں شریف صاحب (والد میاں محمد نواز شریف صاحب) کے پاس اپنے ایک بچے کی مائیگریشن کے سلسلہ میں حاضر ہوا۔ میاں صاحب میٹنگ سے اٹھ کر فوراً باہر تشریف لے آئے اور بہت دیر تک ڈاکٹر غلام محمد صاحب مرحوم کا ذکر خیر کرتے رہے اور ہماری فوری مدد فرمائی۔

والد صاحب حضرت مولانا محمد یعقوب خان صاحب ووکنگ انگلستان میں تھے جب کہ ان کے رفیق کی وفات کی اطلاع ملی۔ راوی کہتا ہے کہ زندگی میں پہلی دفعہ ہم نے خان صاحب کا صبر ایوبی کا دامن ہاتھ سے چھٹتے دیکھا اور وہ زار وقطار روتے رہے۔ جونہی ہم بھائیوں نے ہوش سنبھالا ہم سب بھی والد صاحب کے ہمراہ سیر وشکار پر جانا شروع ہو گئے۔ آخری بار جو ہم نے شکار اکٹھے کھیلا وہ غالباً 1956ء میں کھیلا جب کہ چونیاں کے پانیوں پر ہم سب مع ڈاکٹر غلام محمد صاحب اپنی کار پر شکار کے لئے گئے۔ واپسی پر کار کی بریکیں فیل ہو گئیں اور یہ ان بزرگوں کی موجودگی کا معجزہ ہی تھا کہ میں بغیر بریکوں کے کار چلا کر واپس پہنچ سکا۔

حضرت مولانا صاحب کا قد درمیانہ، جسم بھاری اور کسرتی، بھرپور داڑھی، سر پر ٹوپی یا پگڑی، فراک کوٹ اور پتلون ہر لباس ان پر اچھا لگتا تھا۔ وہ اندر اور باہر دونوں طرح سے خوبصورت تھے۔ خوش باش، خوش گفتار، خوش اطوار، پرعزم تمکنت اور وقار کا مجسمہ وہ ہر رنگ میں بھلے لگتے تھے کیونکہ ان کی طبیعت میں بھلے مانسیت کی چاشنی تھی۔ وہ من موہنے سے دھیمے سے مخلص انسان تھے۔ ان کے وجود کا ٹھہراؤ اور خلوص ان کے وزن کا مظہر تھا۔ سلیقہ ان کی شان اور قرینہ ان کی آن۔ وہ مدھم لہجے کے دردمند مرہم فروش تھے جن کے لفظوں کا حسن چاند بن کر چمکتا اور خوشبو بن کر مہکتا۔ وہ دکھیارے لمحوں میں درد کا اشتراک بھر کر زندگی کو گوارا بنانے کی سعی کرتا۔

مطالعہ فطرت بہت وسیع تھا۔ بنگال کی سحر انگیز سرزمین ہو یا کلکتہ کا عالیشان شہر، مدراس کی بندرگاہ ہو یا ہندوستان کی ریاستوں کے ٹھاٹھ، انگلستان ہو یا یورپ کی چمک دمک، انہوں نے ہر گھاٹ کا پانی پیا مگر وہ بنیادی طور پر غریب ایشیا کے مصیبت زدہ شہریوں کے ہمنوا تھے جن کا دل شہری دنیا کے دکھیارے انسانوں کے لئے حزین رہتا تھا۔ مگر وہ ہر اٹھنے والی آگ دل کے سمندر میں ٹھنڈا کر کے اس سے محبت کی گلابیاں مہکانے کی سعی کرتے رہے۔ آپ اس قبیلہ کشتگان سے تعلق رکھتے تھے جو گردش حالات کے ستائے ہوئے انسانوں کا رونا رونے کو بھی جزو ایمان سمجھتے ہیں۔ ان کا قلم خود پسندی اور خود لذتی کے جذبوں کی صورت گری سے مملو نہیں تھا بلکہ وہ حصار ذات سے نکل کر استعار حیات کی تسخیر کو فریضہ جان وروح خیال کرتے ہیں۔ وہ ان معنوں میں ایک آئیڈلسٹ تھے جو بھوک اور پیاس کی ماری ہوئی اس دنیا میں اس عشق کو بھی حقیقت جانتے ہیں جو ظلم، جبر اور استحصال کے خلاف علم جہاد بلند کرتا ہے۔ وہ ظلم کے اندھیروں میں اپنے فکر وخیال کے جگنوؤں کی روشنیاں بکھیرنا چاہتے ہیں۔ وہ شر کی قوتوں کے سامنے اپنے اثبات خیال کا جمال لا کر خیر کا سویرا ہویدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ صلیب فکر پر لٹکے ہوئے زبوں حال آدم کو اس کی عظمت رفتہ لوٹانا چاہتے تھے۔ حضرت مولانا نے اپنے نظریے اور فکر وخیال کی

طغیانیوں کو جمالِ سخن کی جراحت پر آمادہ نہیں کیا۔ ہاں جب ظلم ہوتا دیکھتے تھے تو ان کی تحریر کاٹ دار اور تیروں کی بوچھاڑ بن جاتی تھی اور پھر کلمہ حق کو سیدھے سادے لفظوں میں بیان کرنے کو جہاد اکبر سمجھتے تھے اور برطانوی حکومت کا سامراجی دبدبہ بھی ایسے حالات میں انہیں مرعوب نہ کر سکا۔ خواہ بادشاہ سلامت انگلستان کا نومسلم کزن لارڈ ہیڈلے ہو یا گفتار کا غازی علامہ اقبال وہ بلا جھجک اظہار خیال کرتے چلے جاتے تھے۔

ان کا ایک اور وصف شائستگی تھا۔ گفتگو میں نرمی اور حلاوت تھی۔ چھوٹوں میں بیٹھے ہوں یا بڑوں میں وہ ہر جگہ اپنی جگہ بنا لیتے تھے۔ نہ علمیت بگھارتے تھے اور نہ اپنے مقام و مرتبے کا رعب ڈالتے تھے۔ وہ ہر محفل میں ایک شائستہ و معصوم اپنائیت کا پیار مسکراہٹوں کے ساتھ بانٹتے چلے جاتے تھے۔ ایک پرسکون اور بارعب وضعداری اور ایک محبت آمیز موجودگی سے مجلس کو کشت زعفران بنا دیتے تھے۔ معتدل و ملائم آدمی تھے۔ کسی بھی معاملے میں وہ انتہا پسندی کا شکار نہیں ہوتے تھے۔ زندگی گزارنے کا ایک ڈھب اور اسلوب بنا رکھا تھا جسے نبھاتے ہوئے سفر حیات پر گامزن تھے۔ کاغذ قلم کتاب سے دوستی۔ جو کام اکیڈیمیوں کے کرنے کی تھیں وہ اکیلے کرتے تھے۔ اخباری اداریوں کے انبار لگاتے چلے گئے۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں سرگرم، مجالس علم میں تقاریر۔ یہ سب جاری تھا بغیر اشتہار اور ہوس شہرت کے۔ اب وہ سانچے ہی ٹوٹتے جا رہے ہیں جن میں یہ لوگ بنا کرتے تھے۔ حال ہی میں جو میرا تعارف مشہور صحافی احمد بشیر (اداکارہ بشریٰ انصاری کے والد) سے کرایا گیا تو موصوف نے مجھے کوئی لفٹ ہی نہیں کرائی۔ مگر جب پتا چلا کہ میں حضرت مولانا کا بیٹا ہوں تو بڑے تپاک سے بولے۔ بھائی! پہلے بتانا تھا۔ ہم آپ سے زیادہ عزت سے پیش آتے۔

حضرت مولانا صوبہ سرحد کے لئے باعث افتخار تھے کہ ایسا نابغہ روزگار روز روز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔

سردار عبدالرشید سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد نے جب مجھ سے درخواست کی کہ میں حضرت مولانا کی سوانح اور تحریرات کو کتابی شکل دوں تو یقیناً وہ سوچ رہے ہوں گے کہ جدوجہد آزادی اور صوبہ سرحد کی تاریخ کبھی مکمل نہ ہوگی جب تک کہ حضرت مولانا کا ذکر خیر اس میں شامل نہ ہو۔ یقیناً وہ برصغیر کے مسلمانوں کو جو کہ بیسویں صدی کے شروع میں ابھی تک قرون وسطیٰ کے خیالات میں جکڑے ہوئے تھے اکیسویں صدی کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتے تھے۔

حضرت مولانا ایک قلندر انسان تھے اور ساری زندگی اپنے حال میں مست رہے۔ ان کا دست طمع میر تقی میر کی طرح سرہانے رکھے رکھے ہی سو گیا تھا۔ روکھی سوکھی کھاتے رہے۔ کسی کے سامنے کبھی سر جھکایا نہ ہاتھ پھیلایا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب جھولی میں ہی سو چھید پڑے ہوں تو اسے پھیلا کر کیا ملے گا۔ قلندری شان تھی تو درویشی صفت۔ چھوٹے لوگوں سے شفقت سے ملتے اور بڑوں اور طنطنے والوں سے ایک شان استغنا کے ساتھ میل ملاپ رکھتے۔ پرواہ تو کسی کی بھی نہیں کرتے تھے۔ شیر کا دل اور عقاب کا جگر پایا تھا۔ خوف و خطر سے خالی و عاری زندگی 1927ء کے ہندو مسلم فسادات میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر ایک راہ گیر ہندو کو مسلمان حملہ آور کے ہاتھوں سے بچایا اور بذات خود حملہ آور سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ساری زندگی مسلمانان برصغیر بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے لڑتے رہے۔ زمانے کے صدموں کا بھرپور مقابلہ کیا۔ غم دوراں کے مقابلے میں ایک چٹان تھے۔ گھریلو مصائب کے جو کوہ غم ان پر ٹوٹے وہ اگر بیان کروں تو قاری کا جگر پھٹ جائے گا۔ محترم والدہ صاحبہ 1929ء میں میرے چھوٹے بھائی ہمایوں اختر کی پیدائش کے وقت فالج زدہ ہو گئی تھیں اور 46 سال چارپائی پر گزار دیئے۔ حضرت مولانا نے جہاں اپنی پبلک زندگی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے وقف کی تھی وہاں اپنی نجی زندگی اپنی معذور بیوی اور ہم چھ بہن بھائیوں کے لئے وقف کر دی اور عملاً ہمیں دکھا دیا کہ جو انسان اعلیٰ مقاصد کے لئے زندہ رہے وہ ہمیشہ زندہ رہ سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: **وترکنا علیہ فی الاخرین سلام علی ابراھیم ۔ کذالک نجزی المحسنین** ۔ یہ ابراہیمؑ نے آنے والی نسلوں میں "سلام علی ابراہیمؑ" کا تحفہ چھوڑ دیا اور ہم اسی طرح محسنوں کو جزا دیتے ہیں۔ یہ تو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ والا انتہائی مقام قربانی بھی خدا کی دین ہے۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے جس نے اسمٰعیلؑ کو آداب فرزندی!

اس سرزمین کے ایک فرزند ہونے کے ناطے حضرت مولانا نے "آداب فرزندی" کا حق خوب ادا کیا اور تمام عمر اس سرزمین کے باسیوں کی حقوق کے حصول میں گزار دی۔

اپنی قلمی زندگی کے شروع میں ہی جو کہ 1920ء میں شروع ہوئی ہے حضرت مولانا کو اس بات کا پورا ادراک ہو گیا تھا کہ مسلمانوں کی صفوں میں سب سے بڑا شگاف کٹھ ملائیت کا پیدا کردہ فرقہ واریت کا شگاف تھا۔ اس لئے بار بار وہ پرچار کرتے تھے کہ جو کوئی بھی کلمہ گو ہے وہ ہمارا اپنا ہے خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو۔ انگلستان میں تبلیغ کے دوران بھی وہ صرف **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کی تبلیغ کرتے تھے اور عیدین کی نماز میں جہاں پورے انگلستان کا اجتماع شاہجہان مسجد، ووکنگ کے وسیع و عریض لان میں ہوتا تھا اس کی امامت کبھی تو کوئی نومسلم انگریز کراتا تھا، کبھی کوئی ایرانی اور کبھی کسی اور مکتب فکر کا فرد۔ 1948ء کی عید کے اجتماع میں وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان بھی تشریف لائے تھے۔ خاکسار مولف اس اجتماع میں شامل تھا۔ ہز ہائی نس آغا خان ووکنگ مسجد اور مشن کے سرپرست تھے اور اکثر جب تشریف لاتے تو

سادہ کاغذ منگوا کر بینک کے نام آرڈر لکھ دیتے کہ اتنی رقم ادا کردو۔ امام ووکنگ سے قریبی تعلقات تھے۔ الغرض پاکستان کے حصول کی جنگ جو تحریک خلافت کے ناکام ہونے کے بعد اور نہرو رپورٹ کے ذریعہ ہندو عزائم کے بے نقاب ہونے کے بعد کے زمانہ میں زور پکڑنا شروع ہوگئی تھی۔ اس جنگ میں حضرت مولانا صف اوّل کے مجاہد تھے۔ قائداعظم جو ''لائٹ'' اور حضرت مولانا کے زبردست مداح تھے ان کی مومنانہ فراست نے بھی یہی نقطہ بھانپ لیا تھا کہ ہر وہ شخص جو خود کو مسلمان کہتا ہے مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے۔ چالیس کے عشرہ میں برکت علی محمڈن ہال لاہور میں ایک اجلاس کے دوران میں مولانا ظفر علی خان نے ایک خاص فرقہ کو کافر قرار دینے اور مسلم لیگ کی ممبر شپ سے خارج کرنے کی تجویز پیش کرنا چاہی اور وہ کھڑے ہو کر ابھی اپنا فقرہ پورا بھی نہ کر پائے تھے کہ قائداعظم نے ڈانٹ کر یہ کہہ کر انہیں بٹھا دیا: "Zafar Ali, Sit down!" مولانا ظفر علی خان جیسے آل انڈیا قد کاٹھ کے لیڈر کو اس طرح ڈانٹ کر بٹھا دینا قائداعظم کا ہی حصّہ تھا۔ یہ فوری فیصلہ اس لئے ضروری تھا کہ اگر یہ فتنہ ایک دفعہ سر اٹھا لیتا تو پھر یہ لامتناہی سلسلہ تکفیر چل نکلتا (جیسا کہ آج کل ہم فرقہ وارانہ قتل و غارت کی صورت میں دیکھ رہے ہیں) اور پاکستان کی منزل ناقابل حصول ہو جاتی۔

حضرت مولانا ایک فطری صحافی اور ادیب تھے اور ان کا انداز و اسلوب عین حقیقی اور دلی جذبات کے قریب تھا۔ وہ اقبال کی ''خودی'' کا ایک چلتا پھرتا شاہکار تھے۔ ایسے غیرت مند لوگ روز روز کہاں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ پختون تصور ''انا'' یا خودی کی ایک سچی تصویر تھے۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں تحریر و تقریر پر کمال حاصل تھا۔ چھوٹے چھوٹے موتیوں کی طرح پروئے ہوئے الفاظ اور الفاظ بھی وہ جو دِل کی گہرائیوں سے نکلے ہوں۔

حضرت مولانا ایک اچھے انسان تھے، ہمدرد، خلیق اور ملنسار۔ دوسروں کے دکھ درد بانٹنے والے۔ ان کے دِل کے اندر انسانیت سے محبت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ان کی تحریریں ایک ترقی پسندانہ سوچ کی روشن قندیلیں تھیں۔ وہ ایک گہرا اسلامی شعور رکھنے والے روشن خیال دانشور تھے جو غریبوں سے محبت کو جزوِ ایمان سمجھتے تھے۔ وہ خود جس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اس کی سچی ترجمانی کرتے تھے اور یہ سب قال ہی قال نہیں تھا بلکہ حال بھی تھا اور سب گھر کے افراد گواہ تھے۔ وہ اندر اور باہر سے ایک تھے اور لما تقولون مالا تفعلون کے قرآنی اصول کو اپنا کر پہلے حال اور پھر قال کی سٹیج پر آتے تھے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ڈوب کر لکھا پوری کمٹمنٹ کے ساتھ لکھا۔ وہ اپنے قلم کے ذریعہ سامراجی طاقتوں، برہمنی سازشوں، مذہب کے نام پر خرافات کو منہدم کرنا چاہتے تھے۔ ان کی تحریریں کسی کرائے کے قلم کی موشگافیاں نہیں تھیں بلکہ دل کی آواز تھی۔

دِل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

حضرت مولانا ایک بھرپور انسان تھے۔ انہوں نے جاندار زندگی گزاری جس میں تصادم کی چقماق بھی تھی اور قوت کی حرارت بھی۔ جہاں ظلم ہوتا دیکھتے وہاں خاموشی کو گناہ تصور کرتے۔ سن بیس کے عشرہ میں تحریک خلافت کے ناکام ہو جانے کے بعد ہندوؤں نے پورے برصغیر پر ہندو راج کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے اور برصغیر کا جو حصہ بقدر آبادی ان کا بنتا تھا اس کے علاوہ مسلم اکثریتی علاقوں کو بھی ہڑپ کرنے کی سازش شروع کر دی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے علاوہ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کے ذریعہ انہوں نے عام مسلمانوں کے بنیادی عقائد اور عشق رسول کو تحلیل کرنے کیلئے ایک بہت ہی ناپاک مہم شروع کر دی اور ''رنگیلا رسول'' کی قبیل کی کتابیں لکھی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب سے بیزار کیا جائے اور ہندومت اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اس ابلیسی سازش کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے:

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
(ابلیس کا پیغام اپنے چیلوں کے نام)

اس وقت کی مولانا کی تحریریں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ 1927ء کے لگ بھگ ان کے مضامین عشق رسولؐ، غیرت اسلامی، مسلمانوں کی بے حسی پر ماتم اور انہیں یہ پیغام دینے پر مبنی ہیں کہ ''اب جنگ، جنگ کا اختتام جنگ'' کا وقت آ پہنچا ہے۔ اگر اب بھی نہ اٹھو گے تو پھر کبھی بھی نہ اٹھ سکو گے۔ انہوں نے مومنانہ فراست کے ذریعہ بھانپ لیا تھا کہ اب پاکستان کے حصول کی جنگ شروع ہوگئی ہے اور ان کے یہ الفاظ پورے بیس سال بعد پورے ہوئے جب کہ واقعتاً یہ جنگ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہر محاذ پر لڑی گئی اور جس میں لاکھوں انسان مارے گئے۔ لاکھوں زخمی ہوئے اور کروڑوں کو ہجرت کرنا پڑی۔

ان کے یہ الفاظ Now or Never جو کہ ان کے 1928ء کے ایک اداریہ کے آخری الفاظ ہیں کی بازگشت 28 جنوری 1933ء کو چوہدری رحمت علی کے مشہور پمفلٹ Now or Never میں سنائی دی۔ جس پمفلٹ میں چوہدری صاحب نے پاکستان کا پہلی دفعہ نام لیا اور پاکستان سکیم کو چار دانگ عالم میں متعارف کروایا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب خان جو کہ انیسویں صدی میں پیدا ہوئے بیسویں صدی کا آزاد خیال فرزند تھے۔ جن کی نگاہ اکیسویں صدی کے جدید تقاضوں پر مرتکز رہتی تھی۔ اسی لئے جدید دور کے تقاضوں کو نوک قلم پر لانے کے لئے اس دور کی لنگوا فرینکا یعنی انگریزی کو ذریعہ اظہار بنایا۔ اُردو میں بھی لکھا مگر اُردو کی کم مائیگی اور

تنگی داماں کو دیکھتے ہوئے انگریزی کو اختیار کیا۔ بزبان اقبال ع: ''گیسوئے اردو ابھی منت پذیر شانہ ہے''۔

انگریزی میں وہ دسترس حاصل کی کہ خود قائد اعظم نے خراج تحسین پیش کیا۔ انگریزی میں انہماک کا یہ عالم تھا کہ حضرت خواب بھی انگریزی میں دیکھتے تھے جس کا ذاتی علم مجھے اس طرح ہوا کہ ایک رات گھپ اندھیرے میں کسی کے انگریزی بولنے کی آواز آئی۔ ڈر کے مارے گھگھی بندھ گئی کہ یہ انگریزی خواں ڈاکو کہاں سے نازل ہو گئے۔ اٹھ کر دیکھا تو حضرت مولانا نیند میں نہایت روانی سے انگریزی میں تقریر فرما رہے تھے۔ جدید فکر کے نتیجہ میں ان کے حروف میں بھی جدت کی جلترنگ بجتی نظر آتی۔ گویا پکار عصر ''جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو'' کو حضرت مولانا نے پوری طرح سمجھ کر اپنی تحریروں میں جدت کا جادو جگانا شروع کر دیا اور تمام عمر قریب نصف صدی تک اشہب قلم سے جو بھی موتی نکلے وہ جدید دور کی آزادی خیال کے نقیب تھے۔ اپنی تحریروں میں بار بار وہ اقبال کا پیغام کہ:

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

قوم کو اور بالخصوص قوم کے جوانوں کو یہ پیغام پہنچاتے رہے اور انہیں اکساتے رہے کہ روایتی توہمات اور کٹھ ملائیت کے مرتب کردہ مسخ شدہ اسلام کی ''حاضر و موجود'' زنجیروں کو توڑ کر بلندی فکر و عمل کے شاہین بنیں اور اسلام کی وہ تعبیر و تصویر اپنائیں جو قرآن پیش کرتا ہے۔ آپ کی نظر میں اسلام کا لب لباب تھا ''خدا کی وحدانیت اور بنی نوع انسان کی اخوت اور مساوات''۔ آپ نے برہمو سماج کے لیڈر پی بی رائے کی وفات پر جو اداریہ لکھا جس میں انہوں نے اس عظیم مؤحد انسان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ایک مسلمان کے اوصاف کا حامل قرار دیا، ان کی وسعت نگاہی کی غمازی کرتا ہے۔ آزادی سے قبل کے تیس سال

انہوں نے مسلسل ہندو کی عیارانہ چالوں کے خلاف جہاد کیا۔ مگر جہاں انہوں نے ''ہندو کو نشانہ تنقید بنایا وہاں ساتھ ہی یہ بھی واضح کیا کہ ان کا روئے سخن ہر ''ہندو'' کی طرف نہیں بلکہ ان ہندو طبقوں کی طرف ہے جنہوں نے مسلمانوں کے حقوق کو غصب کرنے کا مکروہ پلان بنا رکھا تھا اور ان طبقوں میں سرفہرست آریہ سماج فرقہ تھا۔ حضرت مولانا نے بھانپ لیا تھا کہ اگر مسلمان بیدار نہ ہوئے تو ان کا حشر سپین کے مسلمانوں جیسا ہوگا۔ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں کے عزائم واضح تھے۔ حضرت مولانا کو علامہ اقبال سے سو فیصد اتفاق تھا کہ:

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

مولانا کو یقین تھا کہ اگر قوم کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونا ہے تو اسے پنڈت اور واعظ کے چنگل سے نکلنا ہوگا۔ پنڈت جو بتوں کی شکل میں نقوش کہن لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کرتا ہے اور غیر ہندوؤں کو ملیچھ قرار دیتا ہے اور واعظ جو ''دین ملا فی سبیل اللہ فساد'' کی عملی تصویر بن کر اسلام کے نام پر خلق خدا کا خون بہانے کا درس دیتا ہے، دونوں ''حاضر و موجود'' کے طوق ہیں جنہیں گلے سے اتار کر پھینک دینے میں ہی قوم کی نجات ہے!

بعد کے واقعات نے حضرت مولانا کی پیش بینیوں کو بالکل صحیح ثابت کر دکھایا اور آج بھی بھارت میں ہندو جنونی طبقوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا جو حشر ہو رہا ہے، وہ حضرت کی مومنانہ بصیرت کی گواہی دے رہا ہے۔ بابری مسجد کا سانحہ اور ان گنت بے گناہ مسلمانوں کا قتل، اس ہندو جنونی ذہنیت کے تازہ ترین ثبوت ہیں۔ اندرا گاندھی کے قتل کے ردعمل کے طور پر دہلی میں تین ہزار سکھوں کا قتل اس خوفناک جنونی کیفیت کی

ایک اور مثال ہے۔ دراصل برصغیر کا ہندو مسلم مسئلہ اگر صحیح تناظر میں سمجھا تو صرف چند ایک لوگوں نے سمجھا۔ 1906ء سے لے کر 1940ء تک ''اقلیتوں'' کے مفادات کے تحفظ کو موضوع مشق بنایا گیا اور کوشش یہ کی گئی کہ کسی طرح جمہوری پارلیمانی نظام کے اندر رہتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔ اس کے لئے بہتیرے جتن کئے گئے اور جداگانہ نمائندگی اور ''ویٹ ایج'' اور کئی دوسرے حیلوں سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی۔ بہت کم لوگوں نے بات کی تہہ کو پایا کہ مسئلہ اکثریت اور اقلیت کا نہیں ہے بلکہ مسئلہ تو دو بالکل مختلف تہذیبوں، اسلام اور برہمنی تہذیب کے تصادم کا ہے۔ اسلام جو انسانی بھائی چارے اور مساوات کا مذہب ہے وہ نہ صرف ایک خدا اور انسان کے باہمی تعلقات کا تعین کرتا ہے بلکہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے اور اس کا زیادہ زور انسان اور اس کے ہمسائے کے باہمی حقوق و فرائض پر ہے۔ ہندومت ایک ذات پات پر مبنی مذہب ہے جو تمام حقوق اونچی ذات والوں کو تفویض کرتا ہے اور تمام فرائض اور زندگی کا بوجھ نچلی ذاتوں پر ڈالتا ہے۔ تمام عزت و استحقاق برہمنوں کو حاصل ہیں اور تمام بندگی اور خدمت دوسرے کی گردن کے گرد ڈال دی گئی ہے۔ یہ دو زلزلہ خیز تہذیبی ''فالٹ لائن'' پنجاب میں سے گزرتی تھی اس لئے زلزلہ کی سب سے پہلی ارتعاش پنجاب میں محسوس کی جاتی تھی۔ حضرت مولانا نے لاہور میں بیٹھ کر اس زلزلہ کی پہلی گڑگڑاہٹ کو محسوس کیا اور جان لیا کہ وقت تصادم نزدیک آ پہنچا ہے۔ تحریک خلافت جسے اگر تحریک حماقت کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا کے معاً بعد ہی ہندوؤں نے اپنا اصلی رنگ دکھانا شروع کیا اور کئی ایک محاذوں پر باقاعدہ یلغار شروع کر دی۔ حضرت مولانا کی اس زمانے کی تحریریں

گویا جنگ کے طبل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے یادگار اور زوردار اداریے ''جنگ جنگ تا اختتام جنگ (A Fight to the Finish)۔ ''آنے والی جنگ'' (The Coming Fight)۔ ''سپین ان انڈیا''۔ ''ہر ہندو ایک راج پال'' وغیرہ گویا ایک اعلان جنگ ہیں۔ ''جنگ جنگ تا اختتام جنگ'' میں حضرت مولانا نے مسلمان نوجوانوں کو پکارا اور کہا:

''اپنے آپ کو منظم دستوں اور جتھوں میں صف آرا کرلو۔ ہم اب حالت جنگ میں ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ نبی کریم صلعم اور ان کے صحابہ ان حالات میں کیا کرتے تھے؟

''وہ دن رات ہتھیار بند رہتے تھے! یہ ہوتا ان کا آج کا دستور جیسا کہ مدینہ میں ایسے حالات میں ہوتا تھا۔ چاہئے کہ آج کے مسلمان انڈیا کا بھی یہی نعرہ ہو یعنی ''رات دن ہتھیار بند رہو، فولاد کے ہتھیار، روپے کے ہتھیار، تنظیم کے ہتھیار'' آرام اور چین جیسے الفاظ غداری کے مترادف سمجھ کر اپنی لغت سے نکال دو۔ جنگ، جنگ تا اختتام جنگ، یہ وقت کی پکار بھی ہے اور ٹھنڈے دل و دماغ پر مبنی کامن سنس کی بھی۔ یہ ہے حضرت مولانا محمد یعقوب خان صاحب کی 16 اگست 1927ء کی تحریر اور اس کے ٹھیک بیس سال بعد اس دو تہذیبی تصادم کی جنگ کے نتیجہ میں مملکت خداداد پاکستان وجود میں آئی۔ یہ جنگ نہ صرف ''بیلٹ'' (ووٹ) بلکہ ''بلٹ'' (گولی) سے بھی لڑی گئی اور لاکھوں جانوں کی قربانی کے بعد ہمیں یہ سرزمین ہاتھ آئی۔ اس طبل جنگ بجانے کو جرم گردان کر انگریز حکومت نے مولانا کو پابند سلاسل کر دیا مگر گرفتاری سے پہلے مولانا نے یکم ستمبر 1927ء کو ایک زوردار اداریہ ''ایک جرم کا اعتراف'' (Confession of a Crime) لکھ کر اس بات کا بانگ دہل اعلان کیا کہ وہ اپنی قوم کو آنے والی جنگ کے متعلق خبردار کرنا اپنی مذہبی و قومی فریضہ سمجھتے ہیں اور اگر اس ''جرم'' کی خاطر انہیں سزا بھگتنی پڑے گی تو وہ خندہ پیشانی سے اس کو قبول کریں گے۔

حضرت مولانا گو نام میں انجمن کے ملازم تھے مگر نوکری میں بھی اپنی آن اور شان قائم رکھے ہوئے تھے۔ یہی حال روزنامہ ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' کی ایڈیٹری کے دوران تھا۔ نوکری میں وہ اپنی محنت بیچ رہے ہوتے تھے مگر ضمیر اور ذہن کا سودا نہ کبھی کیا اور نہ کبھی سوچا۔ ان کا ذہن اور خیال کسی کا نوکر نہیں تھا۔ وہ ذہنی طور پر ہمیشہ آزاد اور بلند پرواز رہے۔ مولانا کا قلم کسی دھڑے، کسی سیاسی نظریے، کسی سیاسی پارٹی اور کسی انداز فکر کا ترجمان نہیں تھا۔ تھا تو حق وانصاف کا۔ یہی وجہ تھی کہ چالیس کے عشرہ میں جب ''لائٹ'' میں حضرت مولانا نے خبر لگائی کہ سرحد کی مسلم لیگ منسٹری اس وجہ سے ٹوٹی کہ وہ کرپٹ تھی تو قائداعظم نے جو خود بھی سچ اور حق بات کے زبردست حامی تھے، اپنے ''ڈان'' کو حکم دیا کہ یہ خبر روزنامہ ''ڈان'' میں بھی دہرائی جائے، چاہے یہ اپنی ہی پارٹی کی منسٹری کے خلاف تھی۔ قائداعظم کو ''لائٹ'' کے ایڈیٹر پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر ''لائٹ'' کا ایڈیٹر کہتا ہے کہ منسٹری کرپٹ تھی، تو بات درست ہوگی اور اس لئے خبر کو قابل یقین گردانا۔ حضرت مولانا کی ترجیحات کچھ یوں تھیں، اوّل رشتہ انسانی دوم رشتہ اسلامی سوم رشتہ قوم یعنی رشتہ پٹھانی۔ وہ بنی نوع انسان کو ایک خاندان تصور کرتے تھے اور انسانی اقدار کے زبردست حامی تھے۔ پھر وہ نبی کریم صلعم کی امت کے فرد کے طور پر ملت محمد یہ کے پرجوش ترجمان رہے اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے نصف صدی تک قلمی جہاد کیا۔ اس کے بعد اپنی قوم پٹھان کے لئے بڑا درد اور جوش رکھتے تھے اور ہر موڑ پر پٹھانوں کی رہنمائی کی۔ گو عبدالغفار خان سے بھائیوں جیسے تعلقات تھے اور سرخ پوش تحریک کے پس پردہ زبردست حامی تھے مگر جب من حیث القوم امت محمدیہ کے مستقبل کے فیصلہ کا نازک وقت آیا تو عبدالغفار خان کی کانگریسی سیاست سے اختلافات کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ مگر یہ ان بزرگوں کی عظمت کی نشانی تھی کہ سیاسی اختلافات کے باوجود دوستانہ تعلقات بدستور قائم رہے۔ غفار خان جب لاہور آتے تو سب سے پہلے حضرت مولانا سے ملنے ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' کے دفتر تشریف لاتے۔ میں نے کسی غیر سیاسی آدمی کو ان سے بڑا قائد کا چاہنے والا نہیں دیکھا۔ وہ قطعاً غیر سیاسی آدمی تھے یعنی عملی سیاست سے بالکل الگ تھلگ خدمت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ میں منہمک مگر بقول اقبال:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وہ بحیثیت ایک خادم دین ہونے کے مسلمانوں کی سیاسی دستگیری کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے اور سن بیس سے لے کر قیام پاکستان تک آپ کا قلم برصغیر کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر چلتا رہا۔ 1928ء میں علامہ اقبال کے خطاب الہ آباد سے دو سال تک انہوں نے مسلمانوں کے حق خود ارادیت اور ایک علیحدہ قوم ہونے کے نظریہ کو لائٹ میں شائع شدہ اداریہ ''بیلنس آف پاور'' میں بڑے مدلل اور جامع طریقہ سے پیش کیا اور اعلان کیا کہ جب تک برصغیر میں آباد ان دونوں قوموں میں برابری کی بنیاد پر طاقت کا توازن دو علیحدہ اور آزاد ملکوں کی صورت میں قائم نہیں ہو جاتا، برصغیر میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔ حضرت مولانا کا کسی پارٹی سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں تھا ان کی بس ایک ہی پارٹی تھی، پاکستان پارٹی۔ ان کا بس ایک ہی قائد تھا محمد علی جناح!

شروع سے ہی جب قائداعظم انگلستان سے 1935ء میں واپس آئے حضرت مولانا نے قائد کی غیر مشروط اور بھرپور حمایت شروع کر دی۔ ان کا بس ایک ہی نظریہ تھا، نظریہ پاکستان۔ ان کا بس ایک ہی آئین تھا آئین قرآن۔ وہ قلم کو تلوار بنا کر دشمنان اسلام و وطن پر برساتے رہتے تھے۔ مگر کسی بھی جگہ عملی شائستگی اور ادبی ثقافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ جہاں بھی گئے اپنے نقوش چھوڑ آئے۔ جس سے ملے اس کے دل میں گھر کر آئے۔ ان کے مخالف بھی مانتے ہیں کہ ان کا خلوص سمندر جیسا تھا اور ان کا عزم پہاڑوں سے بلند، ان کا صبر حضرت ایوب کے صبر کی مانند۔ حضرت قرآن کریم کے آئین کو مذہب اسلام کا بنیادی آئین مانتے تھے فروعی وفقہی بحثوں میں پڑنا تضیع اوقات سمجھتے تھے۔

احکام تیرے حق میں ہے مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پاژند

''لائٹ'' کے کسی قاری نے وضو کے آداب و طریق کے متعلق سوال کیا تو جواب میں لکھا کہ وضو کا مقصد ہے طہارت جسمانی اور اگر منہ ہاتھ پاؤں تسلی بخش طور پر دھو لئے جائیں تو مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ اس جواب کو ملا کی موشگافیوں کے سامنے رکھا جائے تو حضرت مولانا کی طرز فکر نمایاں ہو جاتی ہے۔ آپ اسلام میں فرقہ واریت کے لئے کسی جگہ کے قائل نہ تھے اور تمام فرقوں کو قابل احترام سمجھتے ہوئے بھی ان کی افادیت کے قائل نہیں تھے۔ تمام عمر نماز قریب ترین مسجد میں ادا کی خواہ وہ کسی فرقہ کی بھی ہو۔ مولانا کی ذات دھڑے بازیوں، فقہی مناقشات اور چھوٹی سطح کے مذہبی اختلافات سے بہت بلند و بالا تھی۔ وہ اسلام کو ایک عالمگیر سچائی سمجھتے تھے جس کی بنیاد خدا کی وحدانیت اور بنی نوع انسان کی مساوات اور بھائی چارے پر رکھی ہوئی ہے۔

انگریزی بولتے تھے تو لگتا تھا ایک دریا ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ فی البدیہہ تقریر کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ ایسی بامحاورہ اور شستہ انگریزی میں تحریر وتقریر کہ انگریز بھی عش عش کر اٹھیں۔ ذہانت تھی کہ ہر ہر لفظ سے پھوٹی پڑتی تھی۔ وہ ذہانت و فطانت کے ایسے کوہ پیکر وقار تھے کہ جس کے سامنے دوسرے لوگ بونے معلوم ہوتے تھے۔ میرے عزیز دوست ڈاکٹر محمد مسعود مشہور سرجن و سابق پرنسپل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور بیان فرماتے ہیں کہ سن تیس کی دہائی میں جب ہم لوگ کالج میں پڑھتے تھے تو ہم حضرت مولانا کے انگریزی لیکچرز جو سیاسی و مذہبی عنوانات پر وائی ایم سی اے، لاہور میں ہوا کرتے تھے۔ بڑے شوق سے سننے جاتے تھے اور ہمارے سینے فخر سے تن جاتے تھے کہ ایک مسلمان عالم دین کس خوبصورتی سے انگریزی میں تقریر کر رہا ہے۔ تقسیم ملک کے وقت جب کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم ہونا قرار پایا تھا تو حضرت مولانا نے قلم کو چھوڑ کر میدان عمل میں اترنے کا فیصلہ کیا اور صوبہ سرحد کا لیکچر ٹور کیا۔ صوبہ سرحد میں پاکستان کے حق میں ریفرنڈم کا فیصلہ کروانے میں آپ کے زور خطابات کا بھی ہاتھ تھا۔ چونکہ پشتو تو آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور آپ کو اس زبان پر ماہرانہ گرفت حاصل تھی، اس لئے آپ کی پشتو تقریروں کو صوبہ سرحد کے لوگوں نے بڑی دلچسپی سے سنا۔ آپ نے دیہات کے سادہ لوگوں کو پاکستان کا مطلب بڑے سادہ الفاظ میں سمجھایا اور انہیں بتایا کہ پاکستان بنتے ہی ان کی قسمت کھل جائے گی اور سب مسائل حل ہو جائیں گے۔ ایک درویش کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ نے سچ کر دکھائے۔ آپ نے 1922ء میں جو تقریر آکسفورڈ یونیورسٹی انگلستان میں Mysticism in Islam (اسلام میں تصوف) کے موضوع پر کی وہ ایک یادگار تقریر ہے اور حال ہی میں اسی نام کی جو کتاب شائع ہوئی ہے اس میں شامل ہے۔ بحیثیت امام ووکنگ مسجد اور ایڈیٹر اسلامک ریویو آپ کو متعدد بین الاقوامی مذہبی اجتماعوں میں اسلام کے نمائندہ کی حیثیت سے بلایا جاتا تھا اور وہاں آپ سادہ اور دلنشین الفاظ میں اسلام کی تعلیمات پیش کرتے تھے۔ ایک بہت اعلیٰ سطح کی مذہبی کانفرنس میں آپ کو بلایا گیا۔ فرماتے تھے کہ میں بہت فکر مند تھا کہ کیا میں اس بین الاقوامی سطح کے دانشوروں کی کانفرنس میں اسلام کی کما حقہ صحیح نمائندگی کر سکوں گا۔ اسی اثنا خواب میں مجھے دکھایا گیا کہ میں حاضرین جلسہ کی طرف موٹے موٹے پتھر اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہوں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اسلام کی موٹی موٹی بنیادی تعلیم کے اصول انہیں بتائے جائیں اور چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ انگریزی، اردو، پشتو کے علاوہ آپ کو فارسی پر بھی عبور حاصل تھا۔ ایک مرتبہ جب سن پچاس کی دہائی میں ایرانی مجتہدین کا ایک وفد ووکنگ میں جمعہ کی نماز کے لئے آیا تو آپ نے ان کی خاطر خطبہ جمعہ فارسی میں دیا۔

تمام مسلمانان عالم کے لئے آپ کا دل محبت و ہمدردی کے جذبات سے معمور تھا۔ 1965ء میں جب برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مصر پر حملہ کر کے نہر سویز پر قبضہ کر لیا تو پورے عالم اسلام میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت مولانا محمد یعقوب خان اس وقت امام ووکنگ مسجد تھے۔ آپ کی سربراہی میں لندن کے عین دل میں ٹرافالگر سکوائر میں ہزاروں مسلمانوں کی ایک زبردست ریلی منعقد ہوئی جہاں حضرت مولانا نے اس کھلی جارحیت کے خلاف زوردار تقریر فرمائی۔ اس عالمی ردعمل کے نتیجہ میں جارح ملکوں کو گھٹنے ٹیک دینے پڑے اور فوجیں واپس بلانی پڑیں۔ یہ عالمی رائے عامہ کی بہت بڑی فتح تھی۔

# وحی اور انسان کا ابدی رشتہ۔۲

غلام نبی مُسلم۔ ایم۔ اے

### غیر نبیوں کو من وراء حجاب الہام

قرآن حکیم میں ایسی تعلیمات موجود ہیں جن سے واضح ہے کہ غیر نبی ہی نہیں غیر مسلم انسانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے آئندہ کا بذریعہ خواب علم بخشا۔ اور ایک عام فہم کا مالک شخص بھی جانتا ہے کہ آئندہ کے ایسے واقعات کا علم جو عقل ریاضت اور قوت ارادی کی نشوونما، تجربے اور مطالعہ سے حاصل نہیں ہوسکتا وہ صرف ذات خداوندی کو ہی ہے یا جسے وہ خود عطا کرے۔ اور اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے میں تھے۔ دو قیدیوں نے اپنے اپنے خواب سنائے۔ ایک نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ انگور نچوڑ کر شراب تیار کر رہا ہوں۔ دوسرے نے بتایا کہ میرے سر پر روٹیاں تھیں اور پرندے انہیں نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ اور ان کی تعبیر یہ تھی کہ پہلا شخص بادشاہ کے دربار میں منظور نظر ہو کر ساقی گری کرے گا اور دوسرے شخص کو پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ اور بات درست ثابت ہوئی۔

۲۔ کچھ عرصہ بعد مصر کے حاکم نے خواب میں دیکھا کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گائیوں کو کھا گئی ہیں اور سات سبز اور سات خشک بالیاں ہیں۔ جن کی تعبیر سات شاداب اور سات خشک سال تھے۔ اور یہ خواب بھی سچا ثابت ہوا۔ سوال یہ ہے کہ علم خدا کی طرف سے تھا۔ یا کسی انسان کی ذہنی کاوش یا دور بینی کا نتیجہ۔ اگر یہ علم خدا کی طرف سے تھا تو کیا یہ اس امر کی علامت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیر نبی بندوں کی طرف بھی وحی کرتا ہے۔

۳۔ حضرت یوسفؑ لڑکے تھے۔ یعنی ابھی منصب نبوت پر فائز نہیں تھے کہ آپؑ نے خواب دیکھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستاروں نے آپ کو سجدہ کیا ہے۔ یہ خواب آپ نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا۔ تو انہیں اپنے بیٹے کے عظیم مستقبل کا یقین ہوگیا۔ اور آپ نے بیٹے کو اپنا خواب بھائیوں کے سامنے بیان کرنے سے منع کر دیا۔ مگر یوسف بھائیوں کے حسد کی وجہ سے جلاوطن ہوئے اور آخر کار واقعات نے آپؑ کے اس خواب کو سچا کر دکھایا۔

۴۔ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا: ''اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو انہیں ان کے کام کی خبر دے گا اور وہ نہیں جانتے۔'' (۱۵:۱۲) خدا نے وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ تم اپنے بھائیوں کو ان کی اس کرتوت کے متعلق آگاہ کرو گے اور انہیں علم نہیں ہوسکے گا۔

### ایک مغالطہ

یوسف علیہ السلام کے اس خواب اور وحی کے متعلق یہ کہا ہے کہ گویا واقعات قبل از نبوت ہوئے۔ تاہم یہ ایک نبی کی وحی ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ یہ وحی منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے کی ہے۔ اس لیے وحی نبوت نہیں بلکہ اس عام وحی کا حصہ ہے جو دوسرے غیر انبیاء کو ہوتی ہے۔ خود واقعات سے ثابت ہے کہ ایسی ناپختہ عمر میں وحی نبوت نہیں ہوتی۔ قرین قیاس یہ ہے کہ خواب سن کر جب باپ نے اسے پوشیدہ رکھنے کی تلقین کی تو آپؑ نے بچپن کے زیر اثر باپ کی بات کو نظر انداز کر کے بھائیوں کو خواب بتا دیا اور خود تکلیف اٹھائی۔ ''اپنا خواب اپنے بھائیوں کے لئے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تیرے لئے کوئی مخفی تدبیریں کریں گے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے'' (۴:۱۲)۔ اس آیات کے الفاظ سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے شیطانی کید کا جو خدشہ ظاہر کیا وہ پورا ہوا اور بھائیوں کی کید اس کا نتیجہ تھی۔ اور بعد کے واقعات باپ کے انتباہ کے باوجود حضرت یوسفؑ کی سادگی سے وقوع پذیر ہوئے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت یوسفؑ نے خواب نہ بتایا۔ بلکہ حضرت یعقوبؑ کی روش نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تو یہ ممکن ہے۔ مگر پھر ایک نبی اللہ کی ذات ہدف تنقید بنتی ہے اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے خواب بیان کر دیا اور یہی امر ہماری تائید کے لیے کافی ہے کہ نبوت کا دور نہ تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے

نبی کی قبل اور بعد از نبوت نگہبانی کرتا ہے۔ تاہم اس کا قبل از نبوت زمانہ دورِ نبوت نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا: ما تدری ماالکتب والایمان ۔ ''تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ یہ بھی فرمایا: ''ہم نے تجھے دیوانہ وار حق کا متلاشی پایا اور رہنمائی کی'' (۷:۹۳) ۔ یہ بھی بتلایا۔ ماکنت ترجوا ان یلقیٰ الیک الکتاب الا رحمۃ من ربک '' اے نبی تجھے یہ امید نہ تھی کہ تجھ پر کتاب نازل ہوگی۔ یہ تو محض تیرے رب کی رحمت ہے''۔ (۸۶:۲۸)

ان آیات میں آنحضرت صلعم کی زندگی کو قبل اور بعد از نبوت دو زمانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ یہی تمام انبیاء کی کیفیت تھی۔ اس لیے یہ بات درست نہیں کہ انبیاء کی ہر وحی نبوت تھی، بلکہ صرف وہی وحی نبوت تھی جو بعثت کے بعد نازل ہوئی۔

### وحیٔ متلو اور غیر متلو

جب انسان غلط مفروضوں کو ایمان بنا لیتا ہے تو پھر وہ بینات سے بھی آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور جس طرح آیت ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ ۔ الخ (۵۱:۴۲) کی موجودگی میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ وحی انبیاء ہی سے مخصوص ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انبیاء وحیٔ متلو ہی تھی، دوسری کوئی قسم نہ تھی۔ اور متلو اور غیر متلو کی تقسیم غیر قرآنی ہے۔ جہاں تک وحی متلو کا تعلق ہے، اس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے۔ اور تمام قرآن وحی متلو (جس کی تلاوت کی جاتی ہو) ہی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ ''یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تجھ پر تلاوت کرتے ہیں۔'' (۲۵۲:۲) ۔ اور خود ان کی تلاوت رسول اللہ کا فریضہ ہے۔ یتلوا علیک آیات اللہ ۔ ''اللہ کا رسول تم پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے'' (۱۱:۶۵) ۔ قرآن تمام کا تمام متلو ہے۔ تو ایسی وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے الفاظ میں نازل فرماتا ہے اسے متلو کہا ہے۔ اور جسے تلاوت نہیں کیا جاتا اور کسی خیال کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے اسے غیر متلو کہا جائے گا۔ وضاحت کے لیے کسی اصطلاح کا اختیار کرنا پریشانی کا نہیں آسانی کا موجب ہے۔ اور ایسی وحی کے لیے روایات کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں۔ خود قرآن حکیم کے اندر ایسی وحی کا ذکر ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی ہے۔ وہ نبیوں کی طرف ہوئی اور اس کا انکار ناممکن ہے۔ ذیل کے چند حوالے وضاحت کے لیے کافی ہوں گے:

### حضرت ابراہیمؑ کی طرف وحی غیر متلو

''اے پیارے بیٹے! میں نے نیند کی حالت میں دیکھا کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔'' (۱۰۲:۳۷) ۔ اب حضرت ابراہیمؑ کی طرف یہ ایک وحی (یعنی رؤیا) پہلے کسی وقت ہوئی ہے اور یہاں صرف اس کا ذکر ہے۔ منشاء یہ ہے کہ بیٹے کو راہ خدا میں ذبح کرو۔ آپؑ نے اسے حکم خداوندی سمجھا اور بیٹے کو ذبح کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ اور خدا نے تو اس حکم کے سچا ہونے کی تصدیق ان الفاظ میں کی: ''اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ اس طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں'' (۳۷:۱۰۴،۱۰۵)۔ اب یہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف ایک وحی کا ذکر ہے۔ لیکن اس وحی میں لفظ کوئی نہیں۔ نیند کی حالت ہے۔ رویا دیکھ رہے ہیں اور اس میں صرف یہ دیکھا ہے کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ اگر حضرت ابراہیمؑ کا یہ رؤیا ''کلام'' یا وحی الٰہی تھا جو آپ نے اپنے بیٹے کو بتایا۔ اور اس میں لفظ کوئی نہ تھا۔ بلکہ محض ایک منظر تھا۔ تو ایسی وحی کو غیر متلو نہ کہیں تو اور کیا نام رکھیں؟ اسی طرح حضرت یوسفؑ کی رؤیا، قیدیوں کا رؤیا، شاہ مصر کا رؤیا، وحی غیر متلو کی مثالیں ہیں۔

### آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی غیر متلو

''بلاشبہ اللہ نے اپنے رسولؐ کا خواب سچ کر دکھایا کہ تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ نے چاہا اپنا سر منڈواتے اور بال کٹواتے ہوئے، اور کچھ خوف نہ کرو۔'' (۲۷:۴۸) ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اس رؤیا کے دیکھے جانے کا قرآن کریم میں ذکر نہیں ''روایات'' ہی میں ہے۔ قرآن میں صرف اس کے تکمیل کا ذکر ہے اور تکمیل کے ذکر میں اس کے کسی وقت پہلے دیکھے جانے کا ذکر آ گیا ہے۔ پھر اس رؤیا میں کوئی لفظ نہیں۔ بلکہ ایک منظر سامنے آیا جسے آنحضرت صلعم نے اشارہ یا حکم خداوندی سمجھ لیا۔ اب اگر یہ رؤیا وحی الٰہی تھا تو یہ غیر متلو ہوا یا متلو۔ اگر یہی منظر حالت بیداری میں ہوتا تو اہل تصوف کی اصطلاح میں اسے کشف کہتے کیونکہ کشف دراصل کشف غطا ہے جس کے معنی حقیقت پر سے پردہ اٹھانا ہے اور غیب الغیب حقائق سے پردہ اٹھانا خدا کا کام ہے۔ اور بعض صداقتوں کی وضاحت کے لیے اصطلاح وضع کرنا فصیح و بلیغ امر ہے۔ گھبرانے کا موجب نہیں۔ حضرت موسیٰؑ نے مدین سے واپسی پر حالت بیداری میں جو آگ دیکھی اور قریب جا کر انہوں نے ''میں تیرا رب ہوں اپنے جوتے اتار'' (۱۲:۲۰) کی آواز سنی۔ وہ یہی کشفی نظارہ تھا جو ظاہری آنکھوں اور کانوں کی رسائی سے باہر

ہے اور روحانی قوی ہی سے ممکن ہے۔

(۲) ''جب مؤمنوں نے لشکروں کو دیکھا تو کہا یہی ہے وہ جس کا اللہ اور رسولؐ نے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں ہی زیادتی ہوئی'' (۲۲:۳۳) ۔اس آیت میں کسی وعدے کا ذکر ہے۔ وہ وعدہ خدا کی طرف سے رسولؐ کی وساطت سے تھا، جس کے الفاظ کا قرآن میں ذکر نہیں ہے اور جس کا ذکر مومنوں نے اس کے وقوع پذیر ہونے کے بعد ہی کیا۔ تو کیا یہ وعدہ وحی کے ذریعہ ہوا؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر رسول اللہ کی طرف یہ وحی متلو ہوئی یا غیر متلو اور یہ قرآن کے باہر ہوئی یا اندر۔ اس سے عیاں ہے کہ رسول اللہ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی اور ایسی وحی بھی ازدیادِ ایمان اور یقین کا موجب ہوتی ہے۔ اور اگر آپؐ کے بعد میں بھی ہوتی رہے تو ایمان میں اضافے کا موجب ہوگی، نقصان کا نہیں۔

(۳) اس پیشگوئی اور وعدے کی تصدیق منافقین نے بھی کی ہے: ''اور جب منافقوں نے جن کے دلوں میں بیماری تھی، کہنا شروع کر دیا کہ خدا اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا نرا دھوکا تھا'' (۱۲:۳۳) ۔گویا کہ پیشگوئی مشہور ہو چکی تھی، مگر کن الفاظ میں؟ اس کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ملتا۔ صرف پیشگوئی سے متعلق مومنوں اور منافقوں کے ردعمل کا علم ہوتا ہے۔ کیا یہ وحی غیر متلو نہیں ہے؟

(۴) ''پس اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی، جو اس نے دیکھا وہ دل نے جھوٹ نہیں کہا۔ تو کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتا ہے۔ اور اس نے اسے ایک اور نزول کے وقت بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتھیٰ کے پاس۔ اسی کے پاس جنت ہے جو اصل ٹھکانہ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا۔ جو چھا رہا تھا۔ آنکھ پھری نہیں اور نہ حد سے بڑھی۔ اس نے اپنے رب کے بڑے بڑے نشانات دیکھے'' (۵۳:۱۰ ۔۱۸) ۔اس میں واقعہ معراج النبیؐ کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں ما اوحیٰ (جو کچھ وحی کیا) ما رای (دل نے جو کچھ دیکھا) ما یریٰ (اس نے جو کچھ دیکھا) ما یغشیٰ (جس نے سدرہ کو ڈھانپ لیا) اور رای من ایات ربہ الکبریٰ (اپنے رب کی عظیم نشانیاں دیکھیں) کے الفاظ کن عظیم حقیقتوں کے حامل ہیں۔

جلتے ہیں جبرئیل کے پر جس مقام پر
اس کی حقیقتوں کے شناسا تمہیں تو ہو

قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں اسے رؤیا کا نام دیا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل میں ہے: ''ہم نے اس رؤیاء کو جو تمہیں دکھایا صرف لوگوں کے لیے فتنہ بنایا'' (۶۰:۱۷) ۔یہاں بھی وحی بصورت رؤیا ہے۔ جس کا لوگوں تک پہنچانا آپ پر لازم تھا اور اس کی وضاحت بھی آپؐ کے ذمہ تھی: ''اے رسول جو کچھ تیرے رب سے تیری طرف اتارا گیا اس کو پہنچا دے'' (۶۷:۵) ۔ اور آپؐ نے ان ''آیات'' سے عوام کو آگاہ کیا، جس کا قرآن میں ذکر نہیں۔ مگر متعلقہ آیت کے الفاظ لنریہ من ا یاتنا ''تاکہ ہم اپنے بندے کو اپنی آیات دکھائیں'' (۱:۱۷) ۔ان کا اظہار کرتے ہیں اور یہ تمام کیفیت وحی غیر متلو ہے مگر۔

فلسفی کو منکر حنانہ است
از حواس انبیاء بیگانہ است
ورنہ بیاور وادی ایمن
کہ اینجا درختے گویدت

## ندائے غیب

جو وحی من وراء حجاب سے عبارت ہے، اس میں ایک تو رویائے صالحہ شامل ہے جو حالت نیند یا نیم خوابی سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری عالم بیداری میں ہوتی ہے جسے صوفیائے کرام نے کشف کا نام دیا ہے۔ رویائے صالحہ کی مثالیں اوپر درج کی جا چکی ہیں۔ اب بیداری کی حالت میں وحی یا کشف کی چند مثالیں نذر قارئین ہیں:

### (۱) حضرت آدمؑ و حوا

''ان دونوں کو ان کے رب نے پکارا، کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا؟'' (۲۲:۷)

### (۲) حضرت مریم

''(پس مریم) کو نیچے سے ایک ندا آئی کہ غم نہ کر، تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ بہا رکھا ہے۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا۔ تجھ پر تازہ پکی کھجوریں جھڑ پڑیں گی'' (۲۴:۱۹)۔

### (۳) حضرت موسیٰؑ

''جب موسیٰؑ کے رب نے اسے طویٰ کی مقدس وادی میں ندا دی'' (۱۶:۷۹) کہ ظالم قوم کے پاس جا۔'' (۱۰:۲۶)

پس رویاء اور حالت بیداری میں ندا کشف میں انبیاء اور غیر انبیاء ہر دو شریک ہیں اور ہر دو قسم کی وحیوں میں آئندہ کے متعلق اخبار

غیب، بشارت، اطلاعات، معلومات، معرفت، معرفت قدر، اسرار حکمت اور عذاب کا ذکر ہوتا ہے اور ہر دور میں اور بالخصوص امت محمدیہ میں بہ کثرت صاحبان کشف و رویا ہوتے چلے آئے ہیں۔ جو منصب نبوت تو نہیں رکھتے مگر وراء حجاب کلام الٰہی سے بہرہ ور ہوتے چلے آئے ہیں۔

**علم لدنّی**

انسان کی بدقسمتی ہے کہ وہ خدا کی رحمت کا دروازہ بند سمجھتا ہے اور علم پر خدا کے علم کو قیاس کرتا ہے۔ ورنہ اس کا علم اور قدرت لا انتہا ہے۔ مگر ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق اس سے استفادہ کرتا ہے۔ وہ کنوئیوں کا مینڈک بن کر وسیع سمندر کا انکار کردیتا ہے۔ وہ چار روایتی اندھوں کی طرح قدرت کا جزوی علم حاصل کرتا ہے اور کل کا انکار کردیتا ہے۔ اس نے خضر علیہ السلام پر حکمت کا جو باب کھولا وہ اللہ کا پرتو تھا (۶۵:۱۸) جس نے حضرت موسیٰؑ کو حیران کردیا۔ اسی علم کی بناء پر یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو کہا! مجھے اللہ نے جو علم دیا ہے تم اس سے بے بہرہ ہو (۶۵:۱۲) ۔ اسی علم کی بنا پر آپ نے بیٹوں کو حکم دیا کہ ''بیٹو جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کی تلاش کرو۔ اور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو جاؤ۔'' (۸۷:۱۲) ۔ بیٹوں کو یہ بھی فرمایا کہ ایک دروازے سے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔'' (۶۵:۱۲) ۔ اور یہ کیوں؟۔ ''انہیں اللہ نے علم دے رکھا تھا'' (۶۸:۱۲) ۔ بیٹوں نے ان باتوں کو دیوانگی کا نتیجہ بتایا، تو فرمایا: ''تم مجھے دیوانہ سمجھتے ہو اور مجھے تو یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے'' (۹۴:۱۲)۔

آرہی ہے اب تو خوشبو میرے یوسف کی مجھے
گو کہو دیوانہ میں کرتا ہوں اس کا انتظار

اور آخر اللہ تعالیٰ کی یہ بشارت درست ثابت ہوئی اور بھائیوں کو اپنی حرکات پر نادم ہونا پڑا۔

**وحی نبوت**

اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہم کلام ہونے کی تیسری صورت یہ ہے کہ وہ جبرئیل کے ذریعے بہ پیرایۂ وحی نبوت الفاظ کی صورت میں اپنا کلام جس میں احکام شریعت اور کامل ہدایت ہوتی ہے اپنے خاص بندوں کی طرف نازل کرتا ہے۔ ایسے افراد انبیاء کہلاتے ہیں۔ اور یہ برگزیدہ انسان نبی (نباء سے مشتق) نہیں ہوتے (جس میں غیر نبی بھی شریک ہیں) بلکہ نبیّ (نبوۃ) سے مشتق ہے، جس کے معنی بلند انسان کے ہیں ۔اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا لست بنبیء اللہ و لاکن نبی اللہ ۔ یہ وحی صرف انبیاء سے مخصوص ہوتی ہے۔ خدا ہی کے الفاظ میں ہوتی ہے۔ یہ وحی ہمارے پاس قرآن پاک کی صورت میں موجود ہے۔ اسی کی نمازوں میں تلاوت کی جاتی ہے چونکہ یہ وحی قرآن کی صورت میں مکمل ''تمہارے دین کو ہم نے کامل کردیا'' (۳:۵) ہونے کے مصداق اقوام عالم کی دائمی رہنمائی کی ضامن ہے۔ ''اور اس کتاب میں کوئی شک نہیں'' (۲:۲) کے الفاظ میں یہ ایک ایسا ضابطہ حیات ہے کہ اس میں نہ کوئی سقم ہے اور نہ ہی کسی زمانے میں انسان کی رہنمائی سے قاصر ہے۔ اس لیے خود اسے ہم نے نازل کیا اور خود ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں'' (۹:۱۵) کے الفاظ میں اس کی دائمی حفاظت کی ضمانت دی گئی ہے۔ یہ قرآن جبرئیل کے ذریعے بہ پیرایۂ وحی رسالت آنحضرت صلعم پر نازل ہوا۔ یہ کھلی عربی زبان میں ہے (۱۰۳:۱۶)۔ فصیح و بلیغ زبان میں نازل ہوا جس کی نظیر پیش کرنے سے تا ابد انسان قاصر ہے۔ آپؐ کی طرف جو وحی کی گئی وہ پہلے انبیاءؑ کی وحی سے مختلف نہ تھی۔ گو تجلّی کے لحاظ سے سب سے ارفع تھی۔ جیسا کہ فرمایا۔

(۱) ''بے شک ہم نے تیری طرف وحی کی جیسے ہم نے نوحؑ اور اس سے پچھلے نبیوں کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی کی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔ (۱۶۳:۴)

''اور اللہ نے موسیٰؑ سے بہت باتیں کیں'' (۱۶۴:۴) ۔

(۲) ''اللہ تعالیٰ نے تم پر وہ دین کھول کر بیان کردیا ہے جس کی اس نے نوحؑ کو وصیت کی تھی اور وہ وحی جو اس نے تمہاری طرف بھیجی اور جس کی ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو وصیت کی کہ دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقہ نہ کرو'' (۱۴:۴۲) ۔

یہ تیسری قسم کی اعلیٰ و ارفع وحی انبیاء سے مخصوص ہے۔ جو قرآن کی شکل میں معنوی و صوری طور پر کامل موجود ہے: ''اور نہ تر اور خشک مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے۔'' (۵۹:۶) اور اسی کی وجہ سے تمام کامل اور ابدی صداقتوں کی حامل ہے۔ جس کے بعد کسی جدید کتاب اور ارفع وحی متلو کی حاجت باقی نہیں رہی اور اس طرح ختم نبوت پر شاہد ہے۔ اب ہمیشہ کے لیے قرآن کتاب ہدایت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حامل قرآن، اسوۂ حسنہ اور خاتم

النبیین ہیں۔ نبوت ایک منصب تھا جس پر اب حضرت محمد صلعم تا قیامت فائز ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی دوسرا شخص اس منصب پر فائز ہونے سے روک دیا گیا ہے۔

### غیر انبیاء کی وحی جاری ہے

اسلام کی تعلیمات کامل ترین ہیں۔ انبیاء کی بعثت کی غرض بھولی بھٹکی نسل انسانی کو خدا کے آستانے پر ڈالنا، معرفت خداوندی سے روشناس کرنا اور ''سجدہ کر اور قرب حاصل کر'' (۹۶ : ۱۹) کے ذریعے بندے اور خدا کے درمیان لازوال تعلق پیدا کرنا ہے۔ اسلام سے پہلے ایسے لوگ ہو گذرے ہیں جو نبی تو نہ تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی و الہام سے نوازا حتی کہ کفار کو بھی آئندہ کے واقعات کا علم دیا۔ اور دین اسلام چونکہ سب دیگر ادیان سے بڑھ کر فیوض و برکات کا سرچشمہ ہے۔ قرآن چونکہ لوگوں کے لئے ہدایت (۱۸۵:۲)، اس کے لئے شفاء جو سینوں میں ہے (۱۰:۵۷)، ''رب کی طرف سے نصیحت (۱۰:۵۷)، ''تمام قوموں کے لئے نصیحت'' (۱۲:۱۰۴) ، ''تمام قوموں کے لئے رحمت'' (۲۱:۱۰۷) اور ''تمام جہانوں کے لئے ڈرانے والا'' (۲۵:۱)۔ اس لیے اس کی اتباع ایک مؤمن کو قرب الٰہی عطا کرتی ہے۔ اس کا مشاہدہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے کیا۔ بعد کے کتاب و سنت کے دلدادگان کرتے رہے اور آج بھی کرتے ہیں۔

☆☆☆☆

## ''ہم بصیرتِ تام سے رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین یقین کرتے ہیں''

### حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا نہایت واضح اور اہم بیان

''ہمیں اللہ تعالیٰ نے وہ نبیؐ دیا، جو خاتم المؤمنینؐ خاتم العارفینؐ اور خاتم النبیینؐ ہے۔ اور اسی طرح پر وہ کتاب اس پر نازل کی جو جامع الکتب اور خاتم الکتب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں اور آپؐ پر نبوت ختم ہوگئی، تو یہ نبوت اس طرح پر ختم نہیں ہوئی جیسے کوئی گھونٹ کر ختم کر دے، ایسا قابلِ فخر نہیں ہوتا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے سے یہ مراد ہے کہ طبعی طور پر آپؐ پر کمالات نبوت ختم ہوگئے۔ یعنی یہ تمام کمالات متفرقہ جو آدمؑ سے لے کر مسیحؑ ابن مریم تک نبیوں کو دیئے گئے تھے۔ کسی کو کوئی اور کسی کو کوئی۔ وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے اور اس طرح پر طبعاً آپؐ خاتم النبیین ٹھہرے۔ اور ایسا ہی وہ جمیع تعلیمات، وصایا اور معارف جو مختلف کتابوں میں چلے آتے ہیں، وہ قرآن شریف پر آکر ختم ہوگئے اور قرآن شریف خاتم الکتب ٹھہرا''۔

دنیا کی مثالوں میں سے ہم ختم نبوت کی مثال اس طرح پر دے سکتے ہیں کہ جیسے چاند ہلال سے شروع ہوتا ہے اور چودھویں تاریخ پر آکر اس کا کمال ہو جاتا ہے جب کہ اسے بدر کہا جاتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر کمالاتِ نبوت ختم ہوگئے۔ جو لوگ یہ مذہب رکھتے ہیں کہ نبوت زبردستی ختم ہوگئی اور آنحضرتؐ کو یونسؑ بن متیٰ پر بھی ترجیح نہیں دینی چاہیے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھا ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور کمالات کا کوئی علم ہی ان کو نہیں ہے۔ باوجود اس کمزوری فہم اور کم علمی کے ہم کو کہتے ہیں کہ نبوت کے منکر ہیں! میں ایسے مریضوں کو کیا کہوں اور کیا افسوس کروں۔ اگر ان کی یہ حالت نہ ہوگئی ہوتی اور وہ حقیقتِ اسلام سے بکلّی دُور نہ جا پڑے ہوتے، تو پھر میرے آنے کی ضرورت کیا ہوتی؟ ان لوگوں کی ایمانی حالتیں بہت کمزور ہوگئی ہیں اور وہ اسلام کے مفہوم اور مقصد سے محض ناواقف ہیں۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ اہلِ حق سے عداوت کرتے جس کا نتیجہ کافر بنا دیتا ہے''۔ (ملفوظات، جلد اوّل، ص ص ۲۲۷، ۲۲۸)

☆☆☆☆☆

# وضو سائنس اور طبی علوم کی روشنی میں

از ایس۔ایم انور

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کو اٹھو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں (دھو لیا کرو)۔۔اور اگر حالت جنابت میں ہو تو نہا لیا کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی جائے ضرور یہ سے ہو کر آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مسح کر لو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے تا کہ تم شکر کرو۔ (المائدہ ۵:۶)

نماز کے لئے بندہ وضو کرتا ہے تو روشنیوں کا بہاؤ عام ڈگر سے ہٹ کر اپنی راہ تبدیل کر لیتا ہے۔

سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ نباتات، جمادات، حیوانات اور انسانی زندگی ایک برقی نظام کے تحت رواں دواں ہے۔ انسانی جسم سے حاصل ہونے والی بجلی ایک ٹارچ یا جیبی ریڈیو چلانے کے لئے کافی ہے۔

قدرت کا یہ عجیب سربستہ راز ہے کہ انسان کے اندر بجلی پیدا ہوتی رہتی ہے اور پورے جسم میں دورہ کر کے پیروں کے ذریعے ارتھ Earth ہو جاتی ہے۔

ہاں! تو اب اصل مضمون کی طرف آیئے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ وضو کے بغیر نماز نہیں ہوتی لا صلوۃ الا بطہور ۔ نماز کے لئے بندہ وضو کرتا ہے تو روشنیوں کا بہاؤ عام ڈگر سے ہٹ کر اپنی راہ تبدیل کر لیتا ہے۔ وضو کے ساتھ ہمارے اعضاء سے برقی روئیں نکلنے لگتی ہیں اور اسی عمل سے جسمانی اعضاء کو ایک نئی طاقت اور قوت حاصل ہوتی ہے۔

## ہاتھ دھونا

۱۔ ہاتھ دھونے سے ہاتھوں پر موجود جراثیم اور گندگی دور ہو جاتی ہے۔

۲۔ انسان پیٹ کی بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ انسان ہر چیز اپنے ہاتھوں سے ہی کھاتا ہے لہذا ہاتھوں کی صفائی ہر قسم کے جراثیم سے چھٹکارا دلاتی ہے۔

۳۔ پرانے مسلمان اطباء اور حکماء کا کہنا ہے کہ جسم کے جس حصے کو وافر خون ملتا رہے گا وہ حصہ طاقتور ہوتا جائے گا۔ رب رحمٰن نے وضو میں تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم اس لئے دیا کہ وافر پانی گزرنے سے وہاں پر بدن کی قوتِ مدبرہ اور حس بیدار ہو، کیونکہ جب ٹھنڈا پانی وہاں پڑے گا تو زیادہ سے زیادہ خون پانی کے جھٹکے کا مقابلہ کرنے کے لئے آنا شروع ہو گا اور یوں تین مرتبہ ہاتھوں کو غسل دینے سے نہ صرف ان کا میل کچیل دور ہو گا بلکہ وافر خون کی آمد سے وہ مضبوط اور خوبصورت ہوں گے۔

۴۔ انگلیوں کی پوروں میں سے نکلنے والی شعاعیں ایسا حلقہ بنا لیتی ہیں جس سے اندرونی برقی رو کا نظام تیز ہو جاتا ہے۔ اس عمل سے ہاتھ خوبصورت اور نورانی ہو جاتے ہیں۔

## کلی کرنا

کلی کرنے سے منہ کی صفائی ہوتی ہے، بدبو دور ہو جاتی ہے۔ دانتوں اور مسوڑھوں کے ساتھ چمٹے ہوئے غذا کے ذرات دھل جاتے ہیں اور خاص طور پر دانتوں کی بیماری پائیوریا جس نے آج پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ دن میں پندرہ مرتبہ کلی کرنے والے اس بیماری سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔

## ناک میں پانی ڈالنا

ناک سانس لینے کا واحد فطری راستہ ہے۔ اور جس ہوا میں ہم سانس لیتے ہیں اس کے

اندر بے شمار امراض پھیلتے پھولتے رہتے ہیں جو ناک کے راستے جسم انسانی میں با آسانی داخل ہوجاتے ہیں۔ اب اگر یہی جراثیم، دھول، گردوغبار جو ہر وقت ہماری ناک میں سانس کے ذریعے پہنچتی رہتی ہے صبح سے شام تک پہنچتی رہے تو بہت سے امراض کا باعث بن سکتی ہے جبکہ

(i)۔ ناک میں پانی ڈالنے سے ناک کی صفائی ہوجاتی ہے۔

(ii)۔ ناک کی منجمد بلغمی رطوبتیں رفع ہوتی ہیں جس سے سانس لینے میں آسانی رہتی ہے۔

(iii)۔ ناک میں پانی ڈالنے سے دماغ بھی تروتازہ ہوجاتا ہے۔

(iv)۔ آواز کی گہرائی اور سہانا پن پیدا ہوتا ہے۔

(v)۔ دائمی نزلہ اور ناک کے زخم کے مریضوں کے لئے ناک کا یہ غسل بہت مفید اور مجرب ہے۔

(vi)۔ ماہرین ہائیڈروپیتھی یعنی پانی سے علاج کے ماہرین کے نزدیک ناک میں پانی ڈالنا بصارت کو بھی تیز کرتا ہے۔

(vii)۔ 1993ء میں ہندوستان میں جذام Leprosy کے متعلق کی جانے والی جدید سروے رپورٹ کے مطابق جذام کے جراثیم Lepra سب سے پہلے ناک ہی کو اپنا مسکن بناتے ہیں۔ لہذا وہاں بھی ناک کی صفائی کی خصوصی تاکید کی گئی ہے جسے مسلمان دن میں پندرہ بار نماز کے لئے اپناتے ہیں۔

## چہرہ دھونا

(i)۔ وضو کرتے ہوئے چہرہ دھونے سے بھنویں پانی سے تر ہوجاتی ہیں اور میڈیکل اصول کے مطابق بھنویں تر کرنے سے آنکھوں کے ایک ایسے مرض کے امکانات کم ہوجاتے ہیں جس میں آنکھ کے اندر رطوبت زجاجیہ کم یا ختم ہوجاتی ہے اور مریض آہستہ آہستہ بصارت سے محروم ہوجاتا ہے۔

(ii)۔ چہرہ دھونے سے چہرے کی جلد کے زیریں غدودوں پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں اور ناک اور سانس کی بیماریوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

(iii)۔ ایک چینی محقق آئیو ٹیکیو کی تحقیق کے مطابق چہرہ دھونے سے پیٹ، چھوٹی آنت، سینہ، بڑی آنت وغیرہ پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کی بدولت آشوبِ چشم، چکر آنا، کمزوری، دانتوں کی کمزوری، سردرد، تھکاوٹ، اسہال اور گھبراہٹ وغیرہ میں نمایاں کمی ہوتی ہے۔

(iv)۔ چہرے کے عضلات میں چمک اور جلد میں نرمی اور لطافت پیدا ہوجاتی ہے۔ گردوغبار صاف ہوکر چہرہ بارونق و پرکشش اور بارعب ہوجاتا ہے۔ دوران خون میں کمی وبیشی ہوکر اعتدال کی شکل پیدا ہوجاتی ہے۔ آنکھوں کے عضلات کو تقویت پہنچتی ہے۔ چمک غالب آجاتی ہے۔ آنکھیں پرکشش خوبصورت اور پرخمار ہوجاتی ہیں۔

(v)۔ چہرے پر تین بار ہاتھ پھیرنے سے دماغ بھی پرسکون ہوجاتا ہے۔

## کہنیوں تک ہاتھ دھونا

(i)۔ فن سرجری وجراحی کے ماہرین جانتے ہیں کہ ''اکحل رگ'' جس کا ایک نام ''نہرالبدن'' بھی ہے۔ دل، جگر اور جلدی بیماریوں کے رفع کرنے اور ''تصفیہ خون'' کے لئے اسی رگ کا خون نکالنا تجویز کیا جاتا ہے۔ اور کہنی کے برابر اسی رگ پر نشتر لگا کر خون نکالا کرتے ہیں کیونکہ اسی جگہ یہ رگ ظاہر بھی ہوتی ہے اور باہر بھی۔ نیز دل وجگر کے ساتھ ساتھ اس کا اثر سارے بدن پر بھی حاوی ہوتا ہے۔ پس ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا اس لئے مقرر ہوا کہ اس بنیادی رگ ''نہرالبدن'' کے ذریعے پانی کے مثبت اثرات پورے بدن میں نفوذ کر جائیں۔

(ii)۔ اسی طرح کہنیوں تک ہاتھ دھونے سے نہ صرف جسمانی بیماریوں میں افاقہ ہوتا ہے بلکہ نفسیاتی بیماریوں مثلاً ذہن میں ناپاک خیالات کا اجتماع، ناامیدی، ذہنی کمزوری، بے جا خوف وغیرہ میں بھی نمایاں کمی واقع ہوتی ہے۔

(iii)۔ اس عمل سے آدمی کا تعلق براہ راست سینے کے اندر ذخیرہ شدہ روشنیوں سے قائم ہوجاتا ہے اور اس نور کا ہجوم ایک بہاؤ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اس طرح ہاتھ دھونے سے ہاتھوں کے عضلات پاک، مضبوط اور طاقتور بن جاتے ہیں۔

## سر کا مسح

(i)۔ سر پر گیلا ہاتھ پھیرنے سے بالوں پر چڑھا ہوا گرد و غبار صاف ہو جاتا ہے۔ یوں دن میں پانچ مرتبہ دماغ کو ہلکی ٹھنڈک کا غسل دینے سے کھوپڑی کے اندر ڈھکے ہوئے دماغ کو تسکین ملتی ہے۔

(ii)۔ سر انسان کے تمام اعضاء میں نہ صرف سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے بلکہ تمام افعال کا تعلق بھی دماغ سے ہی ہوتا ہے۔ وضو سے دماغی ارتعاشات (تحریکات) Vibrations طاقتور ہونے لگتی ہے۔

(iii)۔ سر کے بال انسان کے لئے انٹینا کا کام کرتے ہیں۔ آدمی کا دماغ اطلاعات کا خزینہ ہے۔ ہمارا کھانا، پینا، پیاس، نیند، خوشی کے جذبات وغیرہ ان سب کے لئے کوئی اطلاع ہو دماغ کو فراہم ہونا ضروری ہوتا ہے۔

غور فرمایئے! وضو میں سر کے مسح کے وقت ہمارا ذہن پیدا کرنے والے کی ذات میں مرکوز ہو جاتا ہے تو سر کا ہر بال ہر کثافت و محرومی اور اللہ سے دوری کے خلاف اپنے مصدرِ اطلاعات کی طرف رجوع کرتا ہے۔

## کانوں کا مسح

(i)۔ مسح کرتے وقت شہادت کی انگلیاں گیلی کر کے کانوں میں ڈالتے ہیں جس سے کانوں کی صفائی ہوتی ہے۔

(ii)۔ انگلیوں کے ساتھ تری کانوں میں پہنچتی ہے اس سے سننے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔

(iii)۔ کانوں کے پیچھے جو خالی جگہ ہوتی ہے جہاں بال نہیں ہوتے اس حصے کو تر کرنے سے انسان نظر کی کمزوری سے محفوظ رہتا ہے۔

## گردن کا مسح

(i)۔ وضو میں گردن کا مسح کرنے سے جسم کو ایک خاص توانائی نصیب ہوتی ہے جس کا تعلق ریڑھ کی ہڈی کے اندر حرام مغز Cerebellum-spinal-Marrow اور تمام جسمانی جوڑوں سے ہے۔ کیونکہ جب کوئی نمازی گردن کا مسح کرتا ہے تو ہاتھوں کے ذریعہ برقی رو نکل کر حبل الورید (Spinal Cord) میں ذخیرہ ہو جاتی ہے اور ریڑھ کی ہڈی سے گزرتے ہوئے جسم کے پورے اعصابی نظام کو توانائی بخشتی ہے۔

یاد رہے یہ وہی حبل الورید Jugular Vein ہے جس کو ''رگِ جان'' بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''میں رگِ جان سے زیادہ قریب ہوں۔''

(ii)۔ گردن کا مسح کرنے سے بڑھاپے میں رعشہ (سر ہلتے رہنے) کی شکایت نہیں ہوتی کیونکہ جہاں گردن کا مسح کیا جاتا ہے وہیں میڈولا ہوتا ہے۔ پانی سے تر ہاتھ لگنے سے وہاں خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے اور میڈولا (Medulla) میں لچک برقرار رہتی ہے۔

(iii)۔ گردن اور کانوں کی پشت پر ٹھنڈا ہاتھ پھیرنے سے ان کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں اور تکان دور ہوتی ہے۔

(iv)۔ گردن کا مسح کرنے سے لُو لگنا (Sun Stroke) اور گردن توڑ بخار کا خاتمہ ہوتا ہے۔

(v)۔ چونکہ انسان کے دماغ سے سگنل پورے جسم میں جاتے ہیں جس سے ہمارے تمام اعضاء کام کرتے ہیں لہذا دماغ سے بہت سی باریک رگیں Conductor بن کر آ رہی ہیں جو ہماری گردن کی پشت سے ہوتی ہوئی پورے جسم کو جاتی ہیں۔ جسم کے اس حصے کے خشک رہنے کی وجہ سے بعض اوقات ان رگوں میں خشکی Condensation پیدا ہو جاتی ہیں۔ جس سے بہت سی جسمانی اور نفسیاتی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔ لہذا ماہرین کی رائے میں دن کے مختلف اوقات میں گردن کی پشت کو متعدد بار تر کیا جانا چاہیے۔

## پاؤں دھونا

(i)۔ چونکہ پاؤں اکثر ٹخنوں تک ننگے رہتے ہیں اور گرد و غبار پڑتا رہتا ہے۔ لہذا پاؤں دھونے سے پاؤں صاف ہو جاتے ہیں ان کا میل کچیل دھل جاتا ہے۔

(ii)۔ اگر پاؤں پر موزے پہنے ہوں تو ایسے میں اکثر بند جوتے استعمال کئے جاتے ہیں جن کو زیادہ دیر اگر استعمال کیا جائے تو عفونت یا سٹرانڈ پیدا ہوتی ہے اور بعض

اوقات پاؤں پک بھی جاتے ہیں۔ ایسے میں پاؤں دھونا ان مسائل سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے۔

(iii)۔ ہتھیلیوں کی طرح پاؤں کے تلوؤں کا بھی تمام اعصاب خاص طور پر پیٹ، مثانہ، گردے، تلی، پتے اور جگر کا تعلق ہوتا ہے جبکہ تمام غدود کا تعلق بھی ہوتا ہے جس کی بدولت بھوک کی کمی، تیز بخار، اسہال، نکسیر، عرق النساء، بواسیر اور یرقان وغیرہ میں شفایابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔

(iv)۔ ہم یہ پڑھ چکے ہیں کہ دماغ قبولِ اطلاعات کا مرکز ہے۔ اور یہ اطلاعات عصبی برقی لہروں کے ذریعے منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اطلاع کی لہر لہر اپنا وجود رکھتی ہے اور وجود کا مطلب متحرک رہنا ہے۔ قانون قدرت ہے کہ روشنی، ہوا یا پانی کے لئے بہاؤ ضروری ہے۔ اور کسی بہاؤ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مظہر بنے اور خرچ ہو۔ اس لئے جب کوئی نمازی پیر دھوتا ہے تو زائد روشنیوں (محرکات) کا ہجوم پیروں کے ذریعے (Earth) ہونے سے جسم کو اعتدال نصیب ہوتا ہے۔

### وضو اچھی صحت کا بہترین نسخہ

ڈاکٹر ہوک نور باقی (ترک) اپنی معرکتہ الآرا کتاب ''قرآنی آیات اور سائنسی حقائق'' میں لکھتے ہیں کہ:

''ایک دن آئے گا جبکہ غیر مسلم بھی اسلامی طہارت یا وضو کی ان کے حیرت انگیز فوائد اور حقائق کی بنیاد پر ضرور نقل کریں گے۔ جن کی برکات سے بغیر احساس مسلمان چودہ صدیوں سے استفادہ کرتے آرہے ہیں۔''

(مزید تفصیلات کے لئے کتاب اور مذکورہ ویب سائٹ ملاحظہ فرمائیں www.smnoor.com

ماخوذ از ''اسلامی عبادات اور جدید سائنس''۔ ادارہ)

## بچوں کا سال

جیسا کہ احباب کو علم ہے کہ حضرت امیر ایدہ اللہ نے یہ سال ''بچوں کا سال'' قرار دیا ہے۔ سب سے پہلے اس سلسلہ میں بچوں کو پانچ وقت کی نمازوں کی پابندی کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ جامع دارالسلام، لاہور میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ ہر نماز میں بچوں کی حاضری لگتی ہے۔ ماہ فروری میں جن بچے اور بچیوں نے سب سے زیادہ باقاعدگی سے پانچوں نمازوں اور دیگر تقریبات میں شرکت کی ان کے نام حسب ذیل ہیں:

اول: سکندر احمد
دوم: مظفر احمد
سوم: درشہوار احمد
چہارم: شگفتہ احمد
پنجم: احسن، مجاہد احمد

ان بچوں کو بچیوں کو حضرت امیر ایدہ اللہ شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور کی طرف سے منعقدہ تقریب عید میلاد النبیؐ کے موقع پر انعامات دیں گے۔

سیکرٹری
شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

## عید میلا النبیؐ

شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور اتوار مورخہ 28 فروری 2010ء کو جامع دارالسلام، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور میں بچوں کے لئے خصوصی تقریب کا اہتمام کیا ہے۔ اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہؐ کے خاص پہلو جن کا تعلق بچوں سے شفقت اور تربیت سے ہے ان پر روشنی ڈالی جائے گی۔

سیکرٹری
شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور

## اقوال زریں

۱۔ جو لوگوں کی نیکی کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہوتا۔ (حدیث نبویؐ)

۲۔ اگر تم دوسروں کو معاف نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف نہیں کرے گا۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

۳۔ نرم زبان سے پیش آنا سب سے پہلی نیکی ہے۔ (حضرت علیؓ)

۴۔ جو اچھی بات سنو، لکھ لو۔ اور جو لکھو اسے یاد کر لو۔ اور جو یاد کرو اسے بیان کر دو۔ (یحیٰی برمکی)

☆☆☆☆

# حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر "بیان القرآن"

## کا تنقیدی جائزہ ۔ ۱

از ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی

(ڈاکٹر محمد حبیب اللہ قاضی چترالی نے اپنی کتاب "برصغیر میں قرآن فہمی کا تنقیدی جائزہ" میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کی تفسیر قرآن مجید "بیان القرآن" پر باب ۴ کے فصل 15 میں "تفسیر قرآن میں ان کا منہج اور فکری تفکرات" کے عنوان سے تنقیدی جائزہ لکھا ہے۔ انہوں نے جن تفسیری حواشی میں سے عبارتیں پیش کی ہیں۔ ہم ان کی پوری عبارت ساتھ ہی شائع کر رہے ہیں تا کہ قاری خود ہی اندازہ لگا سکے کہ تبصرہ نگار نے کہاں تک تفسیر میں سے عبارتوں کو نقل کرتے ہوئے تفسیری نوٹ کے مفہوم کو مکمل طور پر پیش کیا ہے۔ تبصرہ نگار نے تفسیر کے جن حصّوں کا حوالہ دیا ہے ان کو خط کشیدہ کر دیا گیا ہے اور مکمل تفسیر کو جلی حروف میں درج کیا گیا ہے۔ ادارہ)

### قرآن فہمی

"مولوی محمد علی (ایم اے۔ ایل ایل بی) کا اہم کام قرآن مجید کی اشاعت و تفسیر تھی بالخصوص انگریزی دان مسلمانوں اور غیر مسلموں میں شہرت پا گئی۔ نیز انہوں نے اردو دان طبقہ کے لئے تین جلدوں میں بیان القرآن کے نام سے ترجمہ و تفسیر لکھی۔ اس تفسیر کے کل صفحات 1999 ہیں۔ آخر میں لغات القرآن کے نام سے 60 صفحات پر مشتمل مفید معلومات ہیں۔" بیان القرآن" میں اکا دُکا شان نزول بھی ابتدائے سورت میں بیان ہوتا ہے۔ آیات کی تفسیر بعض کی بہت زیادہ تفصیل ہے اور بعض جگہ بہت زیادہ اجمال سے کام لیا ہے اور بعض جگہوں میں تفسیر کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی ہے صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ ربط السورۃ مع السورۃ نہیں ہے۔ بہت کم ہی جگہوں پر حدیث شریف، اقوال صحابہؓ اور اکابرین کے تفاسیر کی جھلک موجود ہے۔ لغات کی کتابوں پر زیادہ انحصار کرتے ہیں۔ ان کے قرآنی افکار کیا ہیں ان کی قرآن فہمی کو ان کی تفسیر "بیان القرآن" کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔"

**۱ ۔ انعمت علیھم۔** (الفاتحہ ۱ : ۲) سے کون لوگ مراد ہیں۔ قرآن کریم خود تشریح فرماتا ہے: الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین (نساء ۴:۶۹)۔

مولوی محمد علی اس آیت کی تحت غلام احمد قادیانی پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہاں نبی کا لفظ آ جانے سے بعض لوگوں کو یہ ٹھوکر لگی ہے کہ مقام نبوت بھی اس دعا کے ذریعہ سے مل سکتا ہے۔ اور گویا ہر مسلمان ہر روز بار بار مقام نبوت کو ہی اس دعا کے ذریعہ سے طلب کرتا ہے۔ یہ ایک اصولی غلطی ہے اس لئے کہ نبوت محض موہبت ہے اور نبوت میں انسان کی جدو جہد اور اس کی سعی کو کوئی دخل نہیں۔ الرحمن علم القرآن (رحمٰن ۵۵:۱،۲) سے بھی ظاہر ہے کہ دنیا میں کوئی شخص کوشش کر کے اور دعائیں مانگ مانگ کر اور خدا سے التجائیں کر کر کے نہ پہلے نبی بنا اور نہ آئندہ بنے گا (ج ا ص ۹، ۱۰)

**ا۔ مکمل تفسیر:** "**انعمت علیھم** سے کون مراد ہیں ۔ قرآن کریم خود تشریح فرماتا ہے: **الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین** (نساء ۴:۶۹) یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں ۔ یہ تفسیر ابن عباسؓ سے لے کر تمام مفسرین نے قبول کی ہے ۔ پس ثابت ہوا کہ **اھدنا** کی دعا کرنے والا اعلیٰ سے اعلیٰ منازل کے پہنچنے کی دعا کرتا ہے ۔ جہاں نبی، شہید اور صالح پہنچے وہیں ہر مسلم پہنچنے کی تڑپ اپنے اندر رکھتا ہے ۔ عیسائیوں کی مشہور دعا خداوند کی دعا میں گناہوں کی معافی کی التجا ہے۔

یہاں نہ صرف اس مقام کی دعا ہے کہ انسان سے گناہ سرزد نہ ہو بلکہ اس مقام پر پہنچنے کی دعا ہے ۔ جہاں بڑے بڑے برگزیدگان الٰہی پہنچے یعنی بڑی بڑی خدمات کے بجا لانے اور بڑے بڑے کمالات کے حاصل کرنے کا اعلیٰ مقام یا اعلیٰ سے اعلیٰ مقام جس پر کوئی انسان پہنچا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دعا روپیہ، مال، رتبہ ملنے کے لئے نہیں ۔ کمالات، معرفت اور محبت کے حصول کے لئے ہے۔

یہاں نبی کا لفظ آ جانے سے بعض لوگوں کو یہ ٹھوکر لگی ہے کہ خود مقام نبوت بھی اس دعا کے ذریعہ سے مل سکتا ہے اور گویا ہر مسلمان ہر روز بار بار مقام نبوت کو ہی اس دعا کے ذریعہ سے طلب کرتا ہے ۔ یہ ایک اصولی غلطی ہے ۔ اس لئے کہ نبوت محض موہبت ہے اور نبوت میں

انسان کی جدوجہد اور اس کی سعی کو کوئی دخل نہیں۔ایک وہ چیزیں ہیں جو موہبت سے ملتی ہیں اور ایک وہ جو انسان کی جدوجہد سے ملتی ہیں۔ نبوت اول میں سے ہے جیسا کہ الرحمن علم القرآن (رحمٰن ۵۵:۱،۲) سے بھی ظاہر ہے۔ دنیا میں کوئی شخص کوشش کر کے اور دعائیں مانگ مانگ کر اور خدا سے التجائیں کر کے نہ پہلے نبی بنا نہ آئندہ بنے گا۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (انعام ۶:۱۲۴) کے ماتحت جب چاہتا کسی کو نبوت و رسالت کے منصب پر کھڑا کر دیتا تھا یہاں تک کہ اپنی کامل ہدایت کی راہیں آنحضرت صلعم پر کھول کر تمام آنے والی نسلوں کے لئے مقام نبوت و رسالت کو ایک برگزیدہ انسان کے نام کے ساتھ مخصوص کر دیا اور اس کو النبی اور الرسول کے نام سے پکار کر بتا دیا کہ اب دوسرا نبی اور رسول نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر دوسرا نبی بھی آجائے تو یہ الفاظ مشتبہ ہو جائیں۔ پس مقام نبوت کے لئے دعا کرنا ایک بے معنی فقرہ ہے اور اسی شخص کے منہ سے نکل سکتا ہے جو اصول دین سے ناواقف ہے۔"

۲۔ وبالاخرۃ ھم یوقنون (بقرہ ۲:۴)

## اس کی تفسیر اور قادیانی کے دعوٰی نبوت کی تردید

آخرۃ۔ آخر اوّل کے مقابلہ پر ہے۔اور الدار الاخرۃ سے مراد النشاۃ الثانیۃ ۔الآخرۃ سے مراد "الوحی الاخرۃ" لینا اور پھر یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن کریم کے بعد کوئی اور وحی نازل ہونے والی ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہوگا خلاف قرآن کریم ہے" (ج ۱ ص ۲۰)

## مکمل تفسیر:

اخرۃ۔ اخر اول کے مقابلہ پر ہے۔اور اخر واحد کے مقابلہ پر اور الدار الاخرۃ سے مراد النشاۃ الثانیہ ہے یعنی دوسری زندگی اور کبھی دار کا لفظ محذوف کر کے الآخرۃ سے مراد دار الاخرۃ لیا جاتا ہے (مفردات راغب) یہ تو لغت کی شہادت ہے قرآن شریف کو دیکھا جائے تو اس میں الآخرۃ کا لفظ جہاں ایمان بالآخرۃ کا ذکر ہے اس موقعہ کے سوائے اٹھارہ موقعہ پر آتا ہے اور کسی ایک جگہ بھی سوائے النشاۃ الثانیۃ کے کوئی دوسری معنی مراد نہیں پس یہ قطعی شہادت ہے دیکھو الانعام ۹۳،۱۱۴،۱۵۱۔الاعراف ۷۔۴۵..... پس الآخرۃ سے مراد الوحی الآخرۃ لینا اور پھر یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن کریم کے بعد کوئی اور وحی بھی نازل ہونے والی ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہوگا خلاف قرآن کریم ہے:

ایمان بالآخرۃ پانچواں اصول مذہب کا قرار دیا۔الآخرۃ یاالنشاۃ الثانیۃ وہ زندگی ہے جو انسان کے ان اعمال کا نتیجہ ہے جو وہ اس دنیوی زندگی میں کرتا ہے۔اس زندگی پر یقین رکھنا یہی ہے کہ انسان اعمال کی جزا و سزا پر یقین کامل رکھے۔ جب ایک انسان ایک فعل کے نتیجہ کو بُرا جانتا ہے تو وہ عموماً اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔اور جب اچھا جانتا ہے تو اسے کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اگر فوری نتیجہ ایک کام کا اچھا بھی ہو مگر آخر کار اس کا اثر بُرا ہو تو عقلمند انسان اس سے بھی بچتا ہے۔کھیل کود کو ایک نادان بچہ پسند کرے گا مگر ایک عقلمند انسان آج سے دس بیس بعض وقت سو سو سال آئندہ کے نتائج پر نگاہ رکھتا ہے۔ یورپ کے مدبرین کی چالیں اُسی اچھی صفت کا استعمال بد ہیں۔ جتنی وسیع نگاہ ہوگی اسی قدر زیادہ ایک شخص ضرر سے بچ سکے گا۔

مذہب انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ اعمال کے نتائج صرف اسی انسان کی زندگی تک محدود نہیں، بیس اور سو سال تک محدود نہیں بلکہ ہزاروں لاکھوں سالوں تک چلتے ہیں اور اس دنیا کی زندگی کے بعد بھی انسان پر اچھا یا بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ بلکہ جس طرح یہاں بعض وقت فوری نتیجہ ایک فعل کا اچھا نظر آتا ہے مگر اس کا انجام بُرا ہوتا ہے۔اسی طرح اس دنیا میں ایک فعل کا نتیجہ اچھا نظر آتا ہے مگر دوسری زندگی میں اس کا نتیجہ بد ہوتا ہے۔ پس جو عمل فی نفسہ بُرا ہے اس کا نتیجہ یہاں اچھا بھی نظر آتا ہو تو بھی وہ ترک کرنے کے قابل ہے۔ جو عمل فی نفسہ اچھا ہو اس کا نتیجہ یہاں بُرا بھی نظر آتا ہو تو بھی وہ کرنے کے قابل ہے۔ یوں ہر ایک عمل کی ذمہ داری اس عمل کے اچھا یا بُرا ہونے کے لحاظ سے انسان کو سمجھنی چاہیے نہ ان نتائج سے جو ممکن طور پر اس دنیا میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایک شخص جھوٹ بول کر دوسرے کا مال لے سکتا ہے اور سزا سے بھی بچ سکتا ہے۔ ایک قوم بوجہ اپنی طاقت جسمانی کے دوسرے پر ظلم کر سکتی ہے اور اس کا کچھ بگڑتا بھی نظر نہیں آتا۔ مگر ایک متقی انسان جو کچھ کرے محض اس بات کو مدنظر رکھ کر کرے کہ یہ کام اچھا ہے یا برا۔ جزا و سزا پر یقین گناہ سے بچاتا ہے۔

اخرۃ کے ساتھ یقین کا لفظ بتاتا ہے کہ اعمال کی جزا و سزا پر جب تک یقین کامل نہ ہو اس وقت تک انسان گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ بہت لوگ ہیں جو آخرت پر ایمان کا دعوٰی کرتے

ہیں مگر چونکہ دل پر یقین نہیں اس لئے گناہ کی غلامی میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جس شخص کو یقین ہو کہ فلاں سوراخ میں سانپ ہے وہ اس میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ پس کس طرح اعمال کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرسکتا ہے؟" (ج ا ص ۲۰،۲۱)

## سرسید کے افکار کی تردید

ملائکہ نورانی ہستیاں ہیں جن کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول یعنی وسائط ہیں۔ مسلمانوں میں سے بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ملائکہ صرف قوتوں اور طاقتوں کا نام ہے حتیٰ کہ نبوت کو بھی ایک ملکہ یا طاقت قرار دے کر اس کا نام جبرئیل قرار دیا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ بھی عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ وحی الٰہی انسان کے اندر سے ہی ایک آواز کے پیدا ہونے کا نام ہے اور وہ کوئی خارجی شئے نہیں حالانکہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کے انسان سے کلام کرنے کا ذکر ہے وہاں اکثر کلام کی ایک صورت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے تو دوسری صورت میں من ورآء حجاب (شوریٰ ۴۲:۵۱) فرمائی اور تیسری صورت میں وہ رسول بھیج کر اپنا کلام سناتا ہے جہاں رسول سے مراد جبرئیل ہے" (بیان القرآن ج ا ص ۲۰)

**مکمل تفسیر:**

**ملئکۃ، ملائک** کی جمع ہے جس کی دوسری صورت **ملک** ہے اور اس کا مادہ **الک** ہے اور **الوکۃ** بمعنی رسالت ہے۔ گویا **ملک** معنی رسول ہے اور یا یہ **ملک** سے مشتق ہے۔

**فرشتوں کا وجود:** ملائکہ نورانی ہستیاں ہیں جن کو یہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول یعنی وسائط ہیں۔ مسلمانوں میں سے بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ ملائکہ صرف قوتوں اور طاقتوں کا نام ہے۔ حتیٰ کہ نبوت کو بھی ایک ملکہ یا طاقت قرار دے کر اس کا نام جبرئیل قرار دیا ہے۔ اس عقیدہ کی رو سے یہ بھی عقیدہ رکھنا پڑتا ہے کہ وحی الٰہی انسان کے اندر سے ہی ایک آواز کے پیدا ہونے کا نام ہے اور وہ کوئی خارجی شے نہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کا ذکر ہے وہاں اگر کلام کی ایک صورت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے تو دوسری صورت **من ورائے الحجاب** فرمائی اور تیسری یہ کہ وہ رسول بھیج کر اپنا کلام پہنچاتا ہے جہاں رسول سے مراد جبرئیل ہی ہے۔ پس اگر یہ محض اندر کی شے ہوتی تو یہ تیسری صورت قطعاً ناممکن تھی اور اگر وحی اندر کی آواز نہیں بلکہ خارجی شے ہے تو ملک اور یا فرشتہ بھی قوائے عالم یا قوائے انسان کا نام نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ ملائک وہ وسائط ہیں جو ان قوائے عالم یا قوائے انسان کے عمل میں آنے کا ذریعہ بنتے ہیں وہ ان قویٰ پر ایک گونہ حاکم ہیں۔ اور قیاس چاہتا ہے کہ جب انسان کے قوائے ظاہری کے لئے ظاہری وسائط موجود ہیں تو ان کے بغیر وہ قوتیں کام نہیں دیتیں مثلاً دیکھنے کے لئے نہ صرف انسان کے اندر ایک قوت بلکہ باہر ایک واسطہ روشنی ہے جس کے بغیر وہ قوت کام نہیں دیتی۔ اور سننے کے لئے نہ صرف انسان کے اندر ایک سننے کی قوت ہے بلکہ باہر ایک واسطہ ہوا ہے جس کے بغیر وہ قوت کام نہیں دیتی۔ اسی طرح اس کے قوائے باطنی کے لئے باطنی وسائط کی ضرورت ہے اور یہ وسائط نیکی کی قوتوں کو تحریک میں لاتے ہیں اور ملک کہلاتے ہیں۔ اور یا بدی کی قوتوں کو تحریک میں لاتے ہیں اور جن یا شیاطین کہلاتے ہیں۔ اس لئے ملک کی پیدائش نور سے اور جن کی پیدائش نار سے مانی گئی ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کے بڑے بڑے راستبازوں کی شہادت اس بات پر ہے کہ ملائکہ علیحدہ ہستیاں ہیں۔ اور اگر غور کیا جائے تو جن لوگوں کا اس بات پر اعتقاد ہے کہ نیکی کے کوئی محرک ہیں جن کو ہم ملک کہتے ہیں انہی میں اعلیٰ درجہ کی نیکیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ اور فلسفی جو اس بات پر ایمان نہیں رکھتے وہ عملاً بھی ان نیکی کے محرکات سے فائدہ نہیں اٹھاتے جس سے معلوم ہوا کہ ملائکہ کا علیحدہ ہستیاں ہونا ہی صحیح خیال ہے کیونکہ اس پر عملی شہادت ملتی ہے"۔

(ج ا ص ۴۱،۴۲)

---

## رسول اکرم صلعم کی خدمت میں
## نذرانہ عقیدت

عُروج ابن آدم ہے، نظر ان کی، خیال ان کا
شعور و آگہی کیا ہیں؟ ادا ان کی، جمال ان کا
جہاں میں عظمتِ آدم کو سجدہ کس نے کرنا تھا
نہ ہوتا وسعتِ کون و مکاں میں گر جلال ان کا

محمد اعظم علوی

☆☆☆☆

منظوم کلام حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

# وہ پیشوا ہمارا........

انگریزی ترجمہ: حضرت ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب، ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر مرا یہی ہے

**He who is our guide,**
**In whom all lights abide.**
**Muhammad is his name,**
**My beloved, excels all in fame.**

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

**All prophets are spotlessly pure,**
**Excel each other for sure.**
**But the MOST EXALTED has decreed,**
**That he should in excellence exceed.**

پہلوں سے خوبتر ہے خوبی میں اک قمر ہے
اس پر ہر اک نظر ہے بدرالدجیٰ یہی ہے

**Amongst all prophets he shines out bright,**
**Like a moon in a full moon night.**
**All eyes seek him so they may stay aright,**
**Shining like a moon he changes darkness to light.**

وہ یار لامکانی وہ دلبر نہانی
دیکھا ہے ہم نے اس سے بس رہنما یہی ہے

**A FRIEND, who by confines is not bound,**
**A BELOVED, who by our senses is not found.**
**I have been able to HIM behold,**
**By following the path he had told.**

وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے
وہ طیب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے

**He is the king of all faiths that were revealed,**
**He has been crowned and prophethood sealed.**
**His purity and honesty, in him trust raised,**
**For these qualities by all he was praised.**

آنکھ اس کی دوربیں ہے دل یار سے قریں ہے
ہاتھوں میں شمع دیں ہے عین الضیا یہی ہے

**His eyes saw far and beyond,**
**His heart was with God in bond.**
**To guide to faith he held the light,**
**By which he gave the blind new sight.**

# رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں قصیدہ

از حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ

يَا قَلْبِيَ اذْكُرْ أَحْمَدَا　　عَيْنَ الْهُدٰى مُفْنِي الْعِدَا

اے میرے دل! احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کر۔ جو ہدایت کا سرچشمہ اور دشمنوں کو فنا کرنے والا ہے۔

بَرًّا كَرِيْمًا مُحْسِنًا　　بَحْرَ الْعَطَايَا وَالْجَدَا

نیک، کریم، محسن، بخششوں اور سخاوت کا سمندر ہے

بَدْرٌ مُنِيْرٌ زَاهِرٌ　　فِيْ كُلِّ وَصْفٍ حُمِّدَا

وہ چودھویں کا نورانی روشن چاند ہے۔ وہ ہر وصف میں تعریف کیا گیا ہے

إِحْسَانُهُ يُصْبِي الْقُلُوبَ　　وَحُسْنُهُ يَرْوِي الصَّدَا

اس کا احسان دلوں کو موہ لیتا ہے۔ اور اس کا حسن پیاس کو بجھا دیتا ہے۔

اَلظَّالِمُوْنَ بِظُلْمِهِمْ　　قَدْ كَذَّبُوْهُ تَمَرُّدَا

ظالموں نے اپنے ظلم کی وجہ سے اسے سرکشی سے جھٹلایا ہے۔

وَالْحَقُّ لَا يَسَعُ الْوَرٰى　　إِنْكَارَهُ لَمَّا بَدَا

اور سچائی ایسی شے ہے کہ مخلوق اس کا انکار نہیں کر سکتی، جب وہ ظاہر ہو جائے۔

اُطْلُبْ نَظِيْرَ كَمَالِهِ　　فَسَتَنْدَمَنَّ مُلَدَّدَا

تو اس کے کمال کی نظیر تلاش کر۔ سو تو (اس میں) یقیناً حیران ہو کر شرمندہ ہوگا۔

مَا إِنْ رَأَيْنَا مِثْلَهُ　　لِلنَّائِمِيْنَ مُسَهِّدَا

ہم نے اس کی مانند سوتوں کو جگانے والا کوئی نہیں دیکھا

نُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ الَّذِيْ　　أَحْيَى الْعُلُوْمَ تَجَدُّدَا

وہ اللہ کا نور ہے، جس نے علوم کو نئے سرے سے زندہ کر دیا۔

اَلْمُصْطَفٰى وَالْمُجْتَبٰى　　وَالْمُقْتَدٰى وَالْمُجْتَدٰى

وہ برگزیدہ ہے، چنا ہوا ہے، اس کی پیروی کی جاتی ہے، اس سے فیض طلب کیا جاتا ہے۔